# مالی جہاد

# اور

# ہماری ذمہ داریاں

تقریر

مولانا عبدالمنان عمر صاحب

بر موقعہ

جلسہ سالانہ دسمبر ۱۹۶۲ء

www.aaiil.org

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم
نحمدہٗ و نصلّی علیٰ رسولہ الکریم

پچھلے دنوں ایک تحریک کے سلسلہ میں اس مسئلہ پر غور کر رہا تھا کہ اسلام میں جہاد بالمال، انفاق فی سبیل اللہ اور غریب پروری کا کیا مقام ہے اس مضمون پر غور کیا، غور کیا اور غور کرتا چلا گیا اور اگر اس ذہنی سفر کو مادی مساحت کے پیمانوں سے تعبیر کیا جائے تو کہہ سکتا ہوں کہ میں نے میل ہا میل کا ذہنی سفر طے کیا اور میں نے نہ محض اعتقاداً بلکہ عملی رنگ میں دیکھا کہ جس طرح اسلام نے اس مضمون کو بیان کیا ہے دنیا کا کوئی مذہب اس کا مقابلہ نہیں کر سکتا اور اسلام نے اس باب میں بھی اپنا تکمیلی کارنامہ انجام دیا ہے۔ میں نے انجیل کو دیکھا، توریت کا مطالعہ کیا۔ دوسرے مذاہب کے صحیفے پڑھے لیکن جس وسعت اور گہرائی سے قرآن مجید نے اس مسئلے کو بیان کیا ہے اس کا عشرِ عشیر بھی دوسروں کے ہاں نہیں ملتا۔ میں نے اس غرض سے شروع سے لے کر آخر تک قرآن مجید کا ایک دور مکمل کیا اور دیکھا کہ جہاں انجیل کی ساری دوڑ اسی ایک دل خوش کن فقرے پر ختم ہو جاتی ہے کہ دکھا دے اور دیا کے لئے نہ دو وہاں قرآن مجید

نے صدقات کی تعلیم کو مکمل کیا ہے اور تمام انسانی ضروریات کو مدِنظر رکھ کر اس کے تمام پہلوؤں پر بحث کی ہے۔ اس نے انفاق فی سبیل اللہ کی اہمیت بتائی ہے اس کی ضرورت کو واضح کیا ہے۔ اس کے مقاصد بتائے ہیں، اس کے نتائج سے باخبر کیا ہے اور بتایا ہے کہ انفاق کے نتائج کو ضائع ہونے سے کس طرح بچایا جا سکتا ہے۔ پھر اس کی باریک راہوں کی اطلاع دی ہے۔ ان وجوہات سے پردہ اٹھایا ہے جو اس نیکی کے لئے سنگِ راہ بنتی ہیں، اور آگاہ کیا ہے کہ کس طرح انسانی نفس بخل کی الجھنوں میں الجھ کر اور غربت و تنگدستی کے وہمی خطروں سے گھبرا کر اس راہ پر گامزن ہونے سے گھبرا جاتا ہے۔ غرض اس طرح کے یک صد سے اوپر عنوان ہیں جن کے تحت یہ بحث پھیلی ہوئی ہے اور ان آیات کی تعداد سینکڑوں سے تجاوز کرتی ہے جن میں یہ مضمون بیان ہوا ہے اور ان میں مطالب کا بحرِ ذخار موجزن نظر آتا ہے بلکہ بعض مواقع پر مسلسل کئی کئی رکوع اس بیان پر مشتمل ہیں سورۃ الماعون کا یہی مضمون ہے سورۃ البقرہ پوری کی پوری انفاق اور قربانی کے مضمون کے گرد گھومتی ہے آج کے خطاب کی محدود وسعت میں یہ تو موقعہ نہیں کہ میں ان تمام پہلوؤں کو بیان کر سکوں اور نہ ہی مجھے دریا ہی کو کوزے میں بند کرنا آتا ہے

تاہم رَبِّ اَوْزِعْنِیْ اَنْ اَشْکُرَ نِعْمَتَکَ الَّتِیْ اَنْعَمْتَ عَلَیَّ کے ماتحت اس کے بعض حصوں کو بیان کرنے کی کوشش کروں گا۔

قرآن مجید کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ نجات کا مدار صرف ایمان پر نہیں بلکہ ایمان کے ساتھ عملِ صالح بھی ضروری ہے جب تک ذہنی ایمان اور جسمانی عمل صالح نہ ہو نجاتِ کامل کا حصول ناممکن ہے۔ عیسائیوں میں صرف ایمان پر نجات کا مدار ہے۔ بعض مذاہب نے گیان دھیان کو نجات کا ذریعہ بنایا ہے اور سنسان بیابانوں اور ویران جنگلوں اور پہاڑوں میں بیٹھ کر عام دنیا کی جدوجہد اور سعی و کوشش کے میدانوں سے ہٹ کر تجرد کی متقشفانہ زندگی بسر کرنا ضروری سمجھا ہے۔ یونانی فلسفیوں میں اشراقیت، عیسائیوں میں رہبانیت اور ہندوؤں میں یوگ اسی اعتقاد کا نتیجہ ہے۔ عیسائیوں کے ہاں یہ چیز بکثرت تھی۔ عربوں کی شاعری میں بھی عیسویت کا تخیل ایک راہب متبتل کی صورت میں تھا۔ عرب کے مشہور جاہلی شاعر امراء القیس کو ایک موقع پر اپنے مضمون کی وضاحت کے لئے تمثیل کی ضرورت پیش آئی تو اس نے کہا:-

منارۃ ممسی راھب متبتل۔ یعنی دنیا سے

الگ تھلگ زندگی بسر کرنے والے راہب کا چراغ شب

یہ طریقے خواہ کتنی ہی نیک نیتی سے شروع کئے گئے ہوں

لیکن اسلام نے انھیں بدعت قرار دیا ہے جیسے فرمایا:۔

وَجَعَلْنَا فِیْ قُلُوْبِ الَّذِیْنَ اتَّبَعُوْہُ رَاْفَةً

وَّرَحْمَةً ؕ وَرَھْبَانِیَّةَ نِ ابْتَدَعُوْھَا مَا

کَتَبْنٰھَا عَلَیْھِمْ (الحدید، ۵۷: ۲۷)

یہ سب طریقے افراط وتفریط کی راہیں ہیں۔ اسلامی نظریہ یہ ہے کہ نجات کامل فضل سے ملتی ہے جسے کھینچنے اور جذب کرنے کا ذریعہ ایمان اور عمل صالح ہے۔ اسلام نے لَا رَھْبَانِیَّةَ فِی الْاِسْلَامِ کہکر اس طرز زندگی کی تغلیط کی ہے اور اس نے بتایا ہے کہ نہ ترک لذائذ سے حق کی لذت ملتی ہے نہ بدن کی غیر معمولی تکلیف سے خدا کو آرام ملتا ہے نہ زن فرزند کی نفرت سے اللہ تعالےٰ کی محبت نصیب ہوتی ہے نہ ترک دنیا سے دین کی دولت ملتی ہے، اس نے صاف صاف اعلان کیا ہے :۔

لَاضَرُوْرَةَ فِی الْاِسْلَامِ (ابوداؤد)

اسلام میں عبادت درحقیقت خدا اور اس کے بندوں کے حقوق ادا کرنے کا نام ہے۔ اس بناء پر ہر وہ شخص جو اپنے ہمجنسوں سے

الگ ہو کر ایک گوشے میں بیٹھ جاتا ہے وہ درحقیقت ابنائے جنس کے حقوق ادا کرنے سے قاصر رہتا ہے اس لئے وہ کسی تعریف کا مستحق نہیں۔ وہ کارزارِ عالم کا نامرد اور بزدل سپاہی ہے اسلام میں عبادت کا مفہوم ترک فرض نہیں بلکہ ادائے فرض ہے۔ ترک عمل نہیں بلکہ عمل ہے۔ شاعرِ مشرق اقبال نے خوب کہا ہے ؎

خدا کے بندے تو ہیں ہزاروں بنوں میں ہیں پھرتے مارے مارے
میں اس کا بندہ بنوں گا جس کو خدا کے بندوں سے پیار ہو گا

حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے اس سے زیادہ لطافت کے ساتھ اسی مضمون کو فارسی زبان میں بیان کیا ہے ؎

بدیں شادم کہ غم از بہر مخلوقِ خدا دارم
ازیں در لذتم کز درد می خیزد ز دل آہم
مرا مقصود و مطلوب و تمنّا خدمتِ خلق است
ہمیں کارم ہمیں بارم ہمیں رسمم ہمیں راہم

اسلام نے ترک دنیا کی کیوں مخالفت کی ہے اور ترک علائق سے کیوں منع کیا ہے اس کی ایک وجہ یہ بھی ہے کہ اس طرح زندگی بسر کرنے سے انسان دوسروں کی خدمت اور انفاق فی سبیل اللہ کی نیکیوں سے محروم رہ جاتا ہے۔

قرآن مجید اور احادیث کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ اسلام کا ضابطہ عمل و عبادات میں جہاد فی سبیل اللہ کو بہت بڑی اہمیت حاصل ہے اور اس راہِ عمل پر بہت زور دیا گیا ہے جس ایمان کے نتیجے میں جہاد کا ولولہ پیدا نہیں ہوتا وہ ایک ایسا درخت ہے جس میں پھل نہیں، وہ ایک ایسا قالب ہے جس میں روح نہیں، فقہاء نے جن کی نظر ظاہر پر ہوتی ہے عام طور پر اسلام کے سلسلۂ عبادت میں جہاد کا نام نہیں لیا مگر قرآن مجید کا مطالعہ بتاتا ہے کہ اس کی فرضیت و اہمیت بہت سے دوسرے فقہی احکام و عبادات سے بدرجہا زیادہ ہے۔ اس سلسلے کی دوسری غلطی یہ ہے کہ جہاد کے معنے عموماً قتال اور لڑائی کے سمجھے گئے ہیں اور جہاں جہاد کا لفظ آیا وہاں اسے جہاد بالسیف مراد لے لیا گیا ہے مگر مفہوم کی یہ تنگی قطعاً غلط ہے۔

جہاد کا لفظ جہد سے نکلا ہے جس کے معنے کوشش اور محنت کے ہیں اور قرآن مجید میں یہ لفظ قعود کے مقابل پر استعمال ہوا ہے جس سے مقصود سستی، تکاسل، تغافل اور ترک فرض ہے، اللہ تعالے نے قرآن مجید میں فرماتا ہے:۔

فَضَّلَ اللّٰهُ الْمُجٰهِدِيْنَ بِاَمْوَالِهِمْ وَاَنْفُسِهِمْ

عَلَى الْقَاعِدِيْنَ دَرَجَةً (النساء ۴: ۹۵)

مفردات راغب اور لسان العرب جو قرآن مجید اور عربی زبان کی چوٹی کی کتابیں ہیں ان میں جہاد کے معنے لکھے ہیں المبالغۃ واستفراغ الوسع یعنے کسی کام کے سرانجام دینے میں پوری طرح کوشش کرنا اور کسی قسم کی کمی اور کوتاہی نہ رہنے دینا۔ یہی معنی صاحب تاج العروس نے دیئے ہیں یعنی کوشش کو انتہا تک پہنچا دینا اور اپنی طاقتوں کو کلی طور پر کام میں لگا دینا۔

اس سے ظاہر ہے کہ جہاد اسلام کے فلسفۂ عمل و جہد کے عملی مظاہرے کا نام ہے اور اصطلاحاً اس سے مراد ہے کہ حق کی بلندی اس کی اشاعت و حفاظت اور سماج کے پس ماندہ طبقے کی پرورش اور خبر گیری کے لیئے ہر قسم کی جدوجہد، قربانی اور ایثار گوارا کرنا۔ اور تمام جسمانی، دماغی، مالی اور علمی قوتوں کو اس راہ میں لگا دینا ہے یہی جہاد ہے اور یہ اسلام کا ایک رکن اور بہت بڑی عبادت ہے۔ افسوس ہے کہ بعض لوگوں نے اتنے اہم، اتنے ضروری اور اتنے وسیع مفہوم کو کہ جس کے بغیر دنیا کی کوئی تحریک چل ہی نہیں سکتی اس طرح پامال کر رکھا ہے۔ بے شک جہاد کی ایک قسم جہاد بالسیف بھی ہے۔ لیکن یہ جہاد صغیر ہے اس سے بڑھکر جہاد کی دو اور قسمیں بھی

ہیں جنہیں جہادِ کبیر کا نام دیا گیا ہے، ایک جہاد بالعلم یا جہاد بالقرآن اور دوسرے جہاد بالمال۔

جب حضرت خلیفۃ المسیح اولؓ حضرت مسیح موعودؑ کی بیعت کے لئے آئے تو آپ نے حضرت سے پوچھا کہ مجھے کوئی وظیفہ بتایئے جسے میں بجا لاؤں، آپ نے فرمایا جہاد کریں اور مخالفین اسلام کی رَدّ میں کوئی کتاب تصنیف کریں۔ چنانچہ اس کے مطابق آپ نے یکے بعد دیگرے فصل الخطاب، نور الدین اور تصدیق براہین احمدیہ تین کتابیں تالیف کیں اور عمر بھر جہاد بالقرآن پر عمل پیرا رہے۔

قرآن مجید فرماتا ہے جَاهِدْهُم بِهِ جِهَادًا كَبِيرًا۔ (الفرقان: ۲۵:۵۲) حدیث میں آتا ہے کچھ صحابہؓ ایک غزوے سے واپس آئے تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تم چھوٹے جہاد سے بڑے جہاد کی طرف لوٹے ہو۔ دراصل نفس، شیطان اور دشمن کے خلاف جد و جہد کو جہاد کہتے ہیں، اور اس جد و جہد کی تین قسمیں ہیں:۔

اوّل جہاد بالقرآن۔ جو یہ ہے کہ اوّل اپنے اعتقاد اور اعمال کو قرآن مجید کے سانچے میں ڈھال دے اور قرآن مجید کو اپنے وجود پر نازل کر لے جیسے حدیث میں آتا ہے ایک موقعہ پر حضرت عائشہؓ سے آنحضرتؐ کے طور طریق اور اخلاق کے متعلق پوچھا گیا تو آپ نے فرمایا کان

خلقہ قرآن (ابوداؤد کتاب صلوٰۃ اللّیل) کہ جو کچھ تم قرآن مجید میں قولی طور پر پڑھتے ہو وہی جزء فعلی طور پہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات میں نمایاں تھی۔ اور جو قرآن مجید میں الفاظ کی صورت میں ہے وہی حامل قرآن کی سیرت میں بصورت عمل تھا۔ اسلام کی اشاعت بہت بڑی خدمت ہے۔ قرآن کو پھیلانا ہماری زندگیوں کا مقصد ہے۔ لیکن اگر ہماری اپنی زندگیاں اسلام اور قرآن کے سانچے میں ڈھلی ہوئی نہ ہوں تو ہماری حالت اس شخص کی سی ہے، جو دوسروں کو تو روشنی دکھا سکتا ہے لیکن خود عمل کی ہر راہ میں بھٹکتا پھرتا ہے۔ وہ رحم و محبت کے طلسمات سے تو آگاہ ہے مگر غریبوں پر رحم کھانا اور یتیموں سے عملاً شفقت سے پیش آنا وہ نہیں جانتا۔ اسی کی انفاق فی سبیل اللہ کے متعلق سخن طرازی اور نکتہ آفرینی سے ایک دنیا محو حیرت ہے مگر خود سماج کے پس ماندہ طبقے سے عملی محبت کا ثبوت اس کی زندگی میں ناپید ہے۔ بھائیو! یہ صورت حال بڑی خطرناک ہے ایسے لوگوں کی آواز کسی دل کی لوح پہ کوئی نقش نہیں بنا سکتی، بلکہ ہوا کے تموّج میں مل کر بے نشان ہو جاتی ہے۔ ایسے لوگ لما تقولون ما لا تفعلون کی قرآنی وعید کے نیچے ہوتے ہیں۔ ہمارے پاک رسول (فداہ ابی وامی) کی زندگی ایسی نہ تھی۔ جہاد بالقرآن کی

دوسری صورت وہ ہے جسے قرآن مجید نے ان الفاظ میں بیان کیا ہے فرمایا ہے:۔ جَادِلْهُم بِالَّتِي هِيَ اَحْسَنُ (النحل ۱۶: ۱۲۵) یعنی قرآن مجید کی اشاعت کی جائے اور اس کے دلائل فریق مقابل کے سامنے ایسے رنگ میں پیش کئے جائیں جس میں متانت بردباری، تحمّل۔ نرمی۔ چشم پوشی، عفو اور فراخ دلی سے کام لیا گیا ہو اور بحث مخاطب کی سمجھ کے مطابق کی جائے۔ گویا جہاد بالقرآن میں دو باتوں کی طرف توجّہ دلائی گئی ہے نمونہ اور اشاعت لیکن اگر دشمن نہ گھائل کر دینے والے نمونہ کو دیکھے نہ قائل کر دینے والے دلائل ہی سُنے تو ایسا جہاد بے اثر ہے۔

جہاد کی دوسری قسم جہاد بالمال ہے اور جہاد کے تیسرے حصہ کا تعلق جہاد بالنفس سے ہے۔ گذشتہ سے پیوستہ سال میں نے جہاد بالقرآن کے ایک حصّہ کے متعلق اپنی گذارشات پیش کی تھیں امسال بھی جہاد بالمال کے متعلق کچھ عرض کرنا چاہتا ہوں۔

جہاد بالمال یہ ہے کہ انسان اپنی ہر ملکیت کو اللہ تعالےٰ کی راہ میں قربان اور اپنے ہر سرمایہ کو اس کے بندوں کی بہتری کے لئے نثار کرنے کے لئے تیار رہے۔ اسلام نے انفاق فی سبیل اللہ کرنے والوں کو بہت سی مادی، اخلاقی اور روحانی برکتوں کی شہادت

وی ہے۔ وہ بتاتا ہے کہ اسلام اپنے ماننے والوں میں جس قسم کے جذبات و محرکات پیدا کرنا چاہتا ہے ان کا اصلی سرچشمہ انفاق ہے انفاق ایمان کا ذائقہ، روح کی غذا اور دل کی تسکین کا سامان ہی نہیں بلکہ اس کے ساتھ وہ قوم کی اجتماعی، تمدنی اور معاشرتی اصلاح کا ذریعہ بھی ہے۔ یہ سماج کے مختلف طبقات میں اُلفت و محبت پیدا کرنے کا سبب اور باہمی ہمدردی اور عواطف بڑھانے کا وسیلہ ہے۔ یہ ایک رنگ میں دو دھاری تلوار ہے۔ یہ امراء کی اصلاح کا ذریعہ اور غرباء کے تکفل کا وسیلہ ہے۔ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کسی ایک طبقہ کی اصلاح کے لئے نہ تھی۔ آپ ہر طبقہ کے مصلح اور معلم بنا کر بھیجے گئے تھے۔ غریب و امیر، مسکین و دولت مند دونوں پر آپ کی نگاہیں یکساں پڑتی ہیں۔ اس لئے آپ نے کسی ایک ہی طبقہ کی اصلاح کا فرض انجام نہیں دیا بلکہ دونوں طبقوں کو ترازو کے دونوں پلڑوں میں رکھکر برابر باٹ سے تولہ ہے اور اپنی تعلیمات و اخلاقیات سے دونوں کو برابر کا حصہ دیا ہے۔ اگر غریبوں کی اصلاح کی خاطر صدقہ و خیرات اور دوسروں کی اعانت و ہمدردی کے تمام دروازے بند کر دیئے جائیں تو انسانی جوہر شرافت کی بربادی کے ساتھ ساتھ افراد کا طبقہ اپنے مصائب کی فراوانی سے ہلاک اور

اخلاقی محاسن سے تمامتر تہی مایہ ہو جائے گا۔ اور اگر غرباء اور فقراء کو ہر قسم کی گداگری اور دریوزہ گری کی اجازت دیدی جائے تو انسانوں کی وسیع آبادی کی اخلاقی زندگی تباہ و برباد ہو جائے گی۔ اسلام نے انفاق کا حکم دے کر دونوں طبقوں کی اصلاح کا فریضہ سرانجام دیا اور دونوں طبقوں کو اپنی اپنی جگہ اپنے اپنے اخلاقی معیار کی ترقی کا موقعہ مل گیا۔ ایک طرف تو اسلام نے امراء اور دولتمندوں کو خطاب کر کے فرمایا :-
وَاَمَّا السَّائِلَ فَلَا تَنْهَرْ (الضحیٰ ۹۳ : ۱۰) اور دوسری طرف غرباء کے حق میں فرمایا یَحْسَبُهُمُ الْجَاهِلُ اَغْنِيَاءَ مِنَ التَّعَفُّفِ (البقرہ ۲ : ۲۷۳) فقر و فاقہ کی حالت یا حرص و طمع کے موقعہ پر انسان جو خودداری ظاہر کرتا ہے اس کا نام شریعت کی اصطلاح میں تعفف ہے اور اس طرح بھیک مانگنے کو خلاف توکل و تقویٰ قرار دیا ہے۔ جو لوگ بھیک مانگ کر حج کو جاتے تھے انہیں حکم دیا :- تَزَوَّدُوْا فَاِنَّ خَيْرَ الزَّادِ التَّقْوٰى (البقرہ ۲ : ۱۹۷) ایک طرف مجمع المنعمین کو فرمایا تمہارا حسن اخلاق یہ ہے کہ جو تمہارے سامنے ہاتھ پھیلائے اسے خالی مت لوٹاؤ وَلَوْ بِشِقِّ تَمْرَةٍ (بخاری کتاب الزکوٰۃ) خواہ کھجور کی ایک گٹھلی ایسی حقیر چیز ہی کیوں نہ دینی پڑے اور دوسری

طرف حاجت مندوں کو فرمایا کہ تمہاری خودداری کا تقاضا ہے کہ کبھی کسی کے سامنے ہاتھ نہ پھیلاؤ، حدیث کے الفاظ ہیں

الید العلیٰ خیر من ید السفلیٰ (بخاری کتاب الاستعفاف) یہ ہے وہ تعلیم جس میں اسلام نے سوسائٹی کے دونوں طبقوں کو اپنے فیض سے نوازا ہے اور دونوں میں ہم آہنگی پیدا کرنے کا سامان کیا ہے۔ اور دونوں کو اپنے اخلاق کی اصلاح کے مواقع بہم پہنچاتے ہیں۔

اسلام نے انفاق فی سبیل اللہ پر جس قدر زور دیا ہے اس کا اندازہ اس سے کیا جاسکتا ہے کہ اس کی تعلیمات میں نماز کے ساتھ جو فریضہ سب سے زیادہ اہم نظر آتا ہے وہ زکوٰۃ ہے، اور قرآن مجید میں جہاں کہیں نماز کا ذکر ہے اس کے متصل ہی ہمیشہ زکوٰۃ اور انفاق فی سبیل اللہ کا بھی بیان ہے۔ اور زکوٰۃ ادا کرنے کی مدح اور اس کے نتیجے اور نہ دینے والوں کا تذکرہ اس سے علاوہ ہے۔ بلکہ ایک جگہ تو حقوق اللہ کے ساتھ حقوق العباد کے اس حصہ کے باہمی اتصال کو اس طرح بیان کیا ہے:۔

اَلَّذِیْنَ یُقِیْمُوْنَ الصَّلٰوۃَ وَیُؤْتُوْنَ الزَّکٰوۃَ وَھُمْ رٰاکِعُوْنَ (المآئدہ ۵: ۵۵)

بعض لوگوں کی نگاہ اس لطیف نکتے کی طرف نہیں گئی کہ کس طرح اس آیت میں عبادت اور انفاق کے مضمون کو متحد کیا گیا ہے اور انہوں نے اس قسم کے فرضی قصے گھڑ لئے ہیں کہ ایک موقعہ پر حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے حالت رکوع میں زکوٰۃ ادا کی تھی اس موقعہ پر آیت نازل ہوئی۔ یہ بے معنی بات ہے۔ اصل حقیقت یہ ہے کہ اس آیت میں حقوق اللہ اور حقوق العباد کے درمیان کمال اتصال اور اتحاد کا مضمون بیان کیا گیا ہے اور بتایا ہے کہ وہ عبادتیں اکارت ہیں جن کے ساتھ انفاق کی رُوح شامل نہ ہو۔

احادیث کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں جب کبھی کسی نے اسلام کے احکام دریافت کئے ہیں تو آپؐ نے ہمیشہ نماز کے بعد زکوٰۃ کو پہلا درجہ دیا ہے بسا اوقات اسے شرائط بیعت میں داخل کیا گیا ہے۔ چنانچہ جریر بن عبداللہ بجلی کہتے ہیں کہ میں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے بیعت تین شرائط پر کی تھی جن میں سے نماز کے بعد زکوٰۃ ہے (بخاری کتاب الزکوٰۃ) وفد عبدالقیس نے ۵ھ میں حاضر ہوکر جب اسلامی تعلیمات دریافت کیں تو آپ نے اعمال میں سے نماز، کے بعد زکوٰۃ کو جگہ دی (بخاری کتاب الزکوٰۃ) بعثت کے اسی سال ہجرت

حبشہ ہوئی تھی۔ وہاں نجاشی نے جب مسلمان مہاجرین کو بلا کر ان سے اسلام کی حقیقت اور اس کی تعلیمات دریافت کیں تو اسکے جواب میں مسلمانوں کے نمائندہ حضرت جعفر طیارؓ نے فرمایا رسولؐ اسلام ہمیں سکھاتا ہے کہ ہم نمازیں پڑھیں اور زکوٰۃ ادا کریں (مسند احمد - ۱: ۲۰۲)

صحابہؓ میں سے جو بزرگ شریعت کے راز داں تھے وہ اس نکتہ سے اچھی طرح آگاہ تھے۔ چنانچہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد جب عرب کے بدوؤں نے بغاوت کی اور زکوٰۃ ادا کرنے سے انکار کر دیا تو حضرت ابوبکرؓ نے ان کے خلاف تلوار کھینچ لی اور کہا بخدا جو شخص نماز اور زکوٰۃ میں فرق کرے گا میں اس سے لڑوں گا (بخاری کتاب الزکوٰۃ) حقیقت میں یہ ایک لطیف نکتہ تھا جسے شریعت کا محرم اسرار صدیق اکبرؓ ہی سمجھ سکتا تھا

نماز اور زکوٰۃ کے باہمی ارتباط کی ایک وجہ یہ بھی ہے کہ اسلام کی تنظیمی زندگی دو بنیادوں پر قائم ہے جن میں سے ایک روحانی اور دوسری مادی ہے۔ روحانی نظام کا مرکزی نقطہ نماز اور مادی نظام کا مرکزی نقطہ زکوٰۃ ہے۔ پھر نماز اصل وہی ہے جو باجماعت ادا ہو۔ اسی وجہ سے پورے قرآن مجید میں ہر جگہ اقیموا الصلوٰۃ کے الفاظ ہی سے نماز کی ادائیگی کا حکم دیا گیا ہے صلوا نہیں فرمایا۔

دونوں لفظوں میں فرق یہی ہے کہ قیام صلوٰۃ میں مع شرائط اس کی ادائیگی مراد ہے اور شرائط میں سے اہم شرط نماز باجماعت ہے اور باقی حصہ نوافل کا ہے۔ اسی طرح نظام مادی میں زکوٰۃ کا بنیادی حصہ وہ ہے جو بیت المال میں جمع ہو کر تقسیم ہو اور باقی نوافل کا حصہ عام صدقات سے تعلق رکھتا ہے ایک یہ وجہ بھی ہے کہ یہ دونوں چیزیں یعنی نماز اور زکوٰۃ اسلام میں ساتھ ساتھ نظر آتی ہیں اور ان دونوں کی انفرادی اور اجتماعی دونوں حیثیتوں پر اسلام نے زور دیا ہے نماز جس طرح جماعت اور مسجد کے بغیر اپنی فرضیت کے بعض مقاصد سے دُور ہو جاتی ہے اسی طرح زکوٰۃ جو مرکزی بیت المال کے علاوہ ادا کی جاتی ہے اس کی فرضیت کے بعض اہم مقاصد بھی فوت ہو جاتے ہیں۔ یہی سبب ہے کہ حضرت ابوبکر رضؓ کے عہد خلافت میں جب بعض قبائل نے کہا کہ وہ مال زکوٰۃ بیت المال میں داخل نہیں کریں گے بلکہ بطور خود اسے صرف کریں گے تو شریعت کے شناسائے راز نے ان کا یہ موقف تسلیم کرنے سے انکار کر دیا اور بزور انہیں بیت المال میں زکوٰۃ جمع کروانے پر مجبور کیا۔ اگر اس وقت مصلحت وقت کے ماتحت، جس کا بعض لوگوں نے مشورہ دیا بھی تھا، حضرت ابوبکر رضؓ ان کی بات تسلیم کر لیتے تو اسلام کی

وحدت کا سررشتہ پارہ پارہ اور مسلمانوں کی امامت وخلافت کا نظام درہم برہم ہو جاتا۔ اللہ تعالے صدیق اکبر پر ہزاروں ہزار افضال نازل فرمائے جنہوں نے اُمت کو اس مصیبت کبریٰ سے بچا لیا۔

زکوٰۃ کے لغوی معنے پاکی اور صفائی کے ہیں یعنے گناہ اور ہر قسم کی قلبی، اخلاقی اور روحانی برائیوں سے پاک وصاف ہونا، اور ہر طرح کی نجاستوں اور آلودگیوں سے نکھر کر ستھرا ہو جانا۔ یہ تزکیہ اور پاکی وصفائی نبوّت کی ان تین عظیم الشان خصوصیّتوں میں سے ایک ہے جن کا ذکر سورۃ البقرہ اور سورۃ الجمعہ میں ہوا ہے (البقرہ ۲: ۱۵۱- الجمعہ ۶۲: ۲)

دراصل دل کی پاکیزگی، رُوح کی صفائی اور نفس کا تزکیہ مذہب کی اصل غرض اور نبوّتوں کا اصل مقصد ہے۔ اور انسان کے گناہوں اور ان بیماریوں کے بہت بڑے حصہ کا تعلّق اور دوسرے حقوق کا نظر انداز کرتا ہے۔ صدقہ وخیرات ان برائیوں اور بیماریوں کا علاج ہے۔

سورۃ توبہ میں اللہ تعالے فرماتا ہے:

خُذْ مِنْ اَمْوَالِهِمْ صَدَقَةً تُطَهِّرُهُمْ وَ تُزَكِّيهِمْ (التوبۃ ۹: ۱۰۳)

یہ آیت بتاتی ہے کہ اللہ تعالے کی راہ میں خرچ کرنے سے انسانی

نفس کے آئینہ کے زنگ دور ہو جاتے ہیں اور ان میں جلا پیدا ہو جاتی ہے۔ بخل کی بیماری کا یہ علاج ہے۔ مال کی حرص اس سے کم ہوتی ہے۔ دوسروں کے ساتھ ہمدردی کا جذبہ اس سے بڑھتا ہے۔ خودغرضی کا اس سے قلع قمع ہوتا ہے، ایثار کی دولت اس سے نصیب ہوتی ہے اور غور کر کے دیکھو تو یہی وہ دیواریں ہیں جن پر تہذیب نفس اور حسنِ خلق کی عمارت قائم اور جماعتی زندگی کا نظام مبنی ہے۔ غرض زکوٰۃ یا دوسرے لفظوں میں غریبوں کی چارہ گری، مسکینوں کی دستگیری، مسافروں کی امداد، یتیموں کا تکفل اور بیواؤں کی اعانت عبادت کا اہم رکن ہے، اور اس فریضہ کی سب سے بڑی اہمیت مذہب کی تاریخ میں صرف اسلام میں نظر آتی ہے۔

اسلام کی عمارت جن پانچ ستونوں پر قائم ہے، ان میں سے نماز کے بعد روزہ ہے۔ یہ اسلام کی عبادت کا تیسرا رکن ہے۔ اس کی مشروعیت میں ایک خاص نکتہ یہ ہے کہ اس میں اس بات کا خاص اشارہ ہے کہ بارہ مہینوں میں سے کم سے کم ایک مہینہ ہر مسلمان کو اس طرح بسر کرنا چاہیئے کہ دن رات میں ایک ایک وقت کھانا کھائے اور ایک ایک وقت کا کھانا اپنے فاقہ زدہ محتاج اور غریب بھائیوں کو دیدے۔ وَعَلَى الَّذِيْنَ يُطِيْقُوْنَهٗ فِدْيَةٌ طَعَامُ

مِسْکِیْنٍ (البقرہ ۲ : ۱۸۴)

اس آیت کی تشریح میں مفسرین کو بڑی اُلجھن ہوئی ہے، اور بعض لوگوں نے یطیقونہ سے پہلے لا محذوف مانا ہے اور ترجمہ کیا ہے جو روزہ رکھنے کی طاقت نہیں رکھتے وہ ایک مسکین کو کھانا کھلائیں حالانکہ ان تکلفات کی کوئی ضرورت نہیں۔ آیت کا مفہوم صاف ہے کہ جن لوگوں کو روزہ رکھنے کی توفیق ملے انہیں چاہئے کہ ایک وقت کا کھانا اس شکرانہ میں اور اس طرح جو بچت ہوتی ہے اس میں سے غریبوں کو دیدیں۔ اب دیکھو آیت کے الفاظ میں اپنی طرف سے کسی اضافہ اور کمی کی بھی ضرورت نہیں رہتی اور آیت کا مضمون بھی بہت لطیف ہوجاتا ہے اور غریب پروری کی ایک وسیع راہ کھل جاتی ہے۔

روزہ کی ایک حکمت یہ بھی ہے کہ روزے میں امیر والا اور پیٹ بھروں کو بتایا ہے کہ فاقہ میں کیسی اذیت اور بھوک و پیاس کی تکلیف ہوتی ہے اور اس وقت اسے اپنے غریب اور فاقہ سے نڈھال بھائیوں کی تکلیف کا احساس کرنے کا موقع ملتا ہے اور اس سے معلوم ہوتا ہے کہ چند لقموں سے ان کی تکلیف کا دُور کرنا کتنا بڑا ثواب ہے۔ جو خود بھوکا نہ ہوا ہو وہ جسے گرسنگی نے بے حال

نڈھال نہ کیا ہو اسے بھوک کی تکلیف کا احساس کیونکر ہوگا۔ حضرت علامہ حافظ ابن قیم نے جن جیسے لوگ مادر گیتی صدیوں میں پیدا کرتی ہے کیا خوب فرمایا ہے:۔ نور جگر کے سمجھنے کے لئے سوختہ جگر ہونا ضروری ہے۔ روزہ اس احساس کو زندہ اور ایثار رحم اور ہمدردی کے جذبات کو بیدار رکھتا ہے۔

**حج** اسلام کی عبادت کا چوتھا رکن اور انسان کی خدا پرستی اور عبادت کا پہلا اور قدیم طریق ہے۔ دیکھو اسلام نے کس طرح اس میں بھی غریب پروری کا پہلو نمایاں کیا ہے۔ فرمایا:۔

وَالْبُدْنَ جَعَلْنَاهَا لَكُمْ ....... فَكُلُوا مِنْهَا وَأَطْعِمُوا الْقَانِعَ وَالْمُعْتَرَّ (الحج، ۲۲:۳۶)

اس آیت میں کس طرح قناعت پسند فقیروں اور محتاجوں کا خیال رکھا گیا ہے۔ قربانی بہت بڑی نیکی ہے۔ لیکن اس وقت ہی جب وہ غریب پروری کا فریضہ سرانجام دیتی ہے۔ جب یہ مقصد فوت ہوتا نظر آئے تو اسلام اس قربانی کو بھی موقوف کر دیتا ہے۔ عرب جاہلیت میں دستور تھا کہ لوگ اپنی فیاضی اور سخاوت کی نمائش کا ایک یہ رنگ اختیار کرتے تھے کہ دو آدمی شرط باندھ کر میدانِ مقابلہ میں آکر جانوروں کے ذبح کرنے کی بازی لگاتے تھے۔ ایک شخص اپنا ایک اونٹ ذبح

کرتا تھا پھر اس کے مقابلہ پہ دوسرا شخص اونٹ ذبح کرتا تھا۔ اس طرح یہ مقابلہ اس وقت تک قائم رہتا تھا کہ یا کسی فریق کے اونٹ ختم ہو جائیں یا وہ ذبح کرنے سے انکار کر دے۔ اسلام نے اس جان و مال کے اتلاف کو جس سے غریب پروری کا پہلو پیدا نہیں ہوتا تھا روک دیا کیونکہ ایسے مواقع پر حاجتمندوں کی حاجت کو نہیں دیکھا جاتا تھا بلکہ محض تفاخر و تشاجر مدِ نظر ہوتا تھا۔

(ابو داؤد۔ کتاب الاضاحی)

اسلامی شریعت میں بعض کوتاہیوں اور نیکیوں کے تکرار نے میں فدیئے اور کفارے دینے کا حکم ہے۔ ان تمام احکام پر نظر ڈالئے جو فدیہ اور کفارہ سے متعلق ہیں تو معلوم ہوگا کہ ان سب مواقع پر غریب پروری کا مرکزی نقطہ موجود ہے۔ روزہ رکھنے۔ بمشکل رکھنے اور نہ رکھنے کا فدیہ طعام مسکین ہے (البقرہ ۲:۲۳) حج میں اگر کسی عذر یا بیماری کی وجہ سے احرام میں سر منڈانا پڑ دے تو اس پر فدیہ ہے (البقرہ ۲:۲۴) جو لوگ حج اور عمرہ ایک احرام میں ادا نہ کریں جسے اصطلاح میں تمتع کہتے ہیں تو ایک قربانی واجب ہے جو غریبوں میں تقسیم کی جاتی ہے (البقرہ ۲:۱۹۶) حج میں جانوروں کا شکار منع ہے۔ اگر کوئی جان بوجھ کر ایسا کرے

تو اس پر اس جانور کے مثل قربانی لازم آتی ہے اگر یہ نہ ہو سکے تو کفارہ طعام مسکین (المائدہ ۵:۹۵) کا حکم ہے اگر کوئی شخص بالارادہ اپنی قسم توڑ دے تو اس پر دس مسکینوں کا کھانا واجب ہے (المائدہ ۵:۸۹) اگر کوئی شخص ظہار کر بیٹھے تو اس کا کفارہ ساٹھ مسکینوں کو کھانا کھلانا ہے (فاطعام ستین مسکینًا (المجادلہ ۵۸:۱۱)

امراء عام طور پر خوشی کی تقریبات پر غرباء کو نظر انداز کر دیتے اور انہیں بھول جاتے ہیں لیکن اسلام نے اس طرف بھی توجہ دی ہے۔ اسلام میں اجتماعی خوشیوں کے دو ہی بڑے دن ہیں ایک عید الفطر اور دوسرے عید الاضحیہ۔ عید الفطر کے ساتھ صدقۃ الفطر کا حکم دے دیا اور عید الاضحیہ کے موقعہ پر قربانیوں کا ارشاد فرمایا اور اس جشن ابراہیمیؑ کے موقعہ پر پوری دنیا کے اسلام میں غریبوں کو شکم سیر ہونے کا موقعہ مہیا کر دیا اور فرمایا فکلوا منھا واطعموا البائس الفقیر الحج (۲۸:۲۲) اور اس طرح یہ صورت پیدا کر دی کہ غریب و محتاج بھی عید کے دن پیٹ بھر کر خوشی اور مسرت سے گذاریں۔

میں نے اسلامی تعلیمات کے چند موٹے موٹے پہلوؤں

کو لے کر بتایا ہے کہ کس طرح ان پر اسلام نے غریبوں، مسکینوں یتیموں اور حاجتمندوں کی ضروریات کے تکفل اور انکی تکلیفوں اور مصیبتوں کو کم کرنے کے لئے عملی تدابیر کی ہیں، یہی حال اس کے بقیہ احکام کا ہے۔ اگر غریبوں کے تکفل کے متعلق ایک مجموعی حکم دے دیا جاتا اور اس کی حیثیت محض اخلاقی ہوتی اور اس کی عملی صورتیں اور مواقع مہیا نہ کر دیئے جاتے تو یہ چیز اسلام کی تکمیلی شان پر دھبہ ہوتی۔

اب میں بتاتا ہوں کہ اسلام نے کس طرح اور مختلف جہتوں سے انفاق اور غریب پروری کی اہمیت بیان کی ہے۔

سورۃ بقرہ کے شروع میں اللہ تعالےٰ نے اپنے متقی بندوں کے کچھ اوصاف بیان کئے ہیں اُن میں سے ایک یہ ہے وَمِمَّا رَزَقْنٰهُمْ يُنْفِقُوْنَ (البقرۃ ۲:۴) اللہ تعالےٰ نے اپنے بندے کو جو کچھ اپنے فضل سے دیا ہے اسے اُس میں سے اس شخص کو دینا چاہیئے جسے یہ نہیں ملا، یا ضرورت سے کم ملا ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ جس کو جو ملا اُس میں سے کچھ انہیں دینا جو اس سے محروم ہیں یا جو اس کے محتاج ہیں۔ متقیوں کی نشانی ہیں۔ اور اس کا نام علم اخلاق کی

اصطلاح میں سخاوت اور فیاضی ہے۔ اس آیت میں ایک اور لطیف نکتہ بھی بیان کیا گیا ہے جس کا ذکر بھی آگے چل کر انشاء اللہ اس حصے میں کروں گا جس کا تعلق انفاق اور صدقہ وخیرات کے نتائج کے ساتھ ہے۔

سورۃ بقرہ میں آگے چل کر فرمایا:۔

یٰاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا اَنْفِقُوْا مِمَّا رَزَقْنٰکُمْ مِنْ قَبْلِ اَنْ یَّاْتِیَ یَوْمٌ لَّا بَیْعٌ فِیْهِ وَلَا خُلَّةٌ وَّلَا شَفَاعَةٌ وَالْکٰفِرُوْنَ هُمُ الظّٰلِمُوْنَ۔

(البقرہ۔ ۲: ۲۵۴)

اس آیت کا آخری ٹکڑا غور کے قابل ہے۔ اس ٹکڑے سے قیاس ہوتا ہے کہ جو شخص انفاق سے کام نہیں لیتا وہ شرک کے قریب پہنچ جاتا ہے۔ اس کے مقابل میں وہ لوگ ہیں جنہیں انفاق و صدقہ وخیرات کی توفیق ملتی ہے تو اللہ تعالےٰ نے ان سخی داناؤں کو ان الفاظ میں خوشخبری دی ہے:۔ اَلَآ اِنَّهَا قُرْبَةٌ لَّهُمْ سَیُدْخِلُهُمُ اللّٰهُ فِیْ رَحْمَتِهٖ

(التوبہ۔ ۹: ۹۹)

سورۃ التکاثر میں فرمایا:۔ لَتُسْئَلُنَّ یَوْمَئِذٍ

عَنِ النَّعِیۡمِ (التکاثر - ۱۰۲ : ۸) آخرت میں ہمیں ایک ایک پیسے کا حساب دینا ہوگا۔ غالب نے اپنے مخصوص فلسفیانہ انداز میں درحقیقت اسی مضمون کی طرف اپنے اس شعر میں اشارہ کیا ہے ؎

ایک ایک قطرے کا مجھے دینا پڑا حساب
خونِ جگر ودیعتِ مژگانِ یار تھا

انسانی زندگی کی گھاٹی کو پار کرنا اصل کامیابی ہے۔ اس گھاٹی کو تم کیونکر پار کرسکتے ہو۔ ظلم و ستم کے گرفتاروں کی گردنیں چھڑا کر بھوکوں کو کھلا کر اور یتیموں کی خدمت کرکے قرآن مجید کے اپنے الفاظ سن لیجئے۔

فَلَا اقۡتَحَمَ الۡعَقَبَةَ ۝ وَمَاۤ اَدۡرٰكَ مَا الۡعَقَبَةُ ۝ فَكُّ رَقَبَةٍ ۝ اَوۡ اِطۡعٰمٌ فِىۡ يَوۡمٍ ذِىۡ مَسۡغَبَةٍ ۝ يَّتِيۡمًا ذَا مَقۡرَبَةٍ ۝ اَوۡ مِسۡكِيۡنًا ذَا مَتۡرَبَةٍ

(البلد - ۹۰ : ۱۱ تا ۱۶)

قرآن مجید میں انفاق فی سبیل اللہ اور یتامیٰ و مساکین کی خبر گیری اور پرورش کے متعلق آیات سینکڑوں سے تجاوز کرتی ہیں۔ سورۃ بقرہ کے علاوہ ایک اور پوری سورۃ اس مضمون کے

گر دگفومتی ہے اور وہ سورۃ الماعون ہے۔ اسمیں بتایا گیا ہے کہ وہ دین حق جس کی طرف محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لوگوں کو بلاتے ہیں وہ دراصل مسکینوں اور غریبوں کی پرورش اور ہمدردی ہے۔ جب تک یہ جذبہ دل میں موجزن نہیں ہوتا اس وقت تک دین اور خدمت دین کا دعوے جھوٹا ہے۔ اور عبادتیں اور نمازیں محض ریا۔ ایسے مذہبی لوگ اور عبادت گزار الٰہی عذاب کے نتیجے ہیں۔ دراصل دین کا سب سے بڑا رکن یہی ہے کہ یتیم و مسکین کی خبر گیری کی جائے۔ جن لوگوں کے دل میں مخلوق خدا کی ہمدردی پیدا نہیں ہوتی ان کی نمازیں اور عبادتیں اکارت ہیں ان کا اللہ تعالٰے سے کوئی حقیقی تعلق نہیں۔ غریب پروری ایسی ضروری چیز ہے کہ اس سورۃ میں اقامت صلوٰۃ کے ساتھ زکوٰۃ یا خدمت خلق کا ذکر ملا کر کیا ہے اور جہاں حقیقت نماز سے غفلت کا ذکر کیا ہے اس کی وجہ بھی یہ بتائی ہے کہ وہ يَمْنَعُوْنَ الْمَاعُوْنَ کے مرتکب ہوتے ہیں اور خدمت خلق کے معمولی کاموں سے بھی کترا جاتے ہیں۔

قرآن مجید میں ایک جگہ ان لوگوں کو جو فی سبیل اللہ خرچ نہیں کرتے ظالم قرار دیا ہے اور فرمایا ہے وَمَا لِلظّٰلِمِيْنَ

مِنْ اَنْصَار (البقرہ ۲: ۲۷۰) ایسے ظالم الٰہی مدد سے محروم ہیں۔ پھر انیسویں پارے میں جہنّم کی آگ میں جلنے والوں کا ذکر کیا ہے کہ جب ان سے پوچھا جائے گا کہ تمہارا یہ بد انجام کیوں ہوا تو اس کے جو جواب وہ دیں گے اُن میں سے ایک یہ ہے لَمْ نَكُ نُطْعِمُ الْمِسْكِيْنَ (المدثر ۷۴: ۴۴) یعنی ہم نے مساکین کی پرورش کے انتظام میں حصّہ نہیں لیا تھا اس کے مقابل سورۃ الدھر میں جنتیوں کا ذکر ہے اور ان کی جنّت میں پہنچنے کے اسباب کا ذکر کرتے ہوئے بتایا کہ یُطْعِمُوْنَ الطَّعَامَ عَلٰی حُبِّهٖ مِسْكِيْنًا وَّ يَتِيْمًا وَّ اَسِيْرًا (الدھر ۷۶: ۹) گویا قرآن مجید میں نہ صرف غرباء کی پرورش کی تلقین کی گئی ہے بلکہ اس بات پر بھی ناپسندیدگی کا اظہار کیا ہے کہ دوسروں کو اس کار خیر کی کیوں تحریک نہیں کی جاتی (الحاقۃ ۶۹: ۳۴)

قرآن مجید میں ایک جگہ صاف فرمایا ہے — وَلَا يَسْئَلْكُمْ اَمْوَالَكُمْ (محمد ۴۷: ۳۶) اللہ تعالےٰ تم سے تمہارے اموال نہیں مانگتا بلکہ وہ تمہیں اجر دینا چاہتا ہے لیکن ظاہر ہے کہ اجر انسان کی محنت، قربانی

اور عمل کے بغیر نہیں ملتا اس لئے تمہیں مال خرچ کرنا پڑے گا تب ہی اجر کے مستحق بنو گے۔ منافق میں سب سے بڑا نقص یہ ہوتا ہے کہ وہ اپنے اموال اللہ تعالےٰ کی راہ میں خرچ کرنے کو بڑی بھاری مصیبت سمجھتا ہے، اور یہ چیز حد درجہ غلط ہے۔

غرض سارا قرآن مجید انفاق فی سبیل اللہ و ایتاء کے احکام اور محامد سے بھرا پڑا ہے۔

قرآن مجید کو آپ دیکھ چکے اب احادیث پر ایک نظر ڈالو صحیح بخاری کی حدیث ہے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلّم فرماتے ہیں: الساعی علی الارملۃ والمساکین کالمجاھد فی سبیل اللہ او کالذی یصوم النھار ویقوم اللّیل یعنے بیواؤں اور مساکین کی امداد کا وہی مقام ہے جو اللہ تعالےٰ کی راہ میں جہاد کرنے والے غازی اور عبادت گذار کا ہے جس کے دن روزوں میں اور راتیں نمازوں میں بسر ہوتی ہیں۔ صحیح حدیث میں ہے ایک دفعہ آپ نے اپنی دو ساتھ ساتھ کی انگلیوں کو اٹھایا اور فرمایا انا وکافل الیتیم کھاتین میں اور یتیم کی کفالت کرنے والے قیامت کے

دن اسی طرح پاس پاس اکھٹے ہوں گے جس طرح یہ دو انگلیاں پاس پاس اور اکھٹی ہیں۔ ایک دفعہ آپؐ نے صحابہؓ سے فرمایا آخرت کے روز اللہ تعالےٰ اپنے بندوں سے کہے گا کہ دنیا میں میں بھوکا تھا لیکن تم نے مجھے کھانا نہ کھلایا۔ میں ننگا تھا لیکن تم نے مجھے کپڑا نہ دیا، بے در بے گھر تھا تم نے مجھے رہائش کے لئے جگہ نہ دی۔ لوگ عرض کریں گے اے ہمارے مالک ایسا کب ہوا کہ تو بھوکا ننگا اور بے در و بے گھر تھا اور ایسا ہو بھی کس طرح سکتا ہے۔ تو اللہ تعالےٰ فرمائے گا میرے بندے بھوکے تھے لیکن تم نے ان کی غذا کا بندوبست نہ کیا۔ وہ ننگے تھے تم نے ان کی ستر پوشی کا انتظام نہ کیا۔ وہ بے آسرا اور بے وسیلہ تھے لیکن تم نے اُن کے لئے بیتا مہیا نہ کی (بخاری)

باب عیادت المریض) دیکھو کس طرح اللہ تعالےٰ نے نادار بندوں کی خبر گیری کو اپنی خبر گیری قرار دیا ہے۔ ایک دفعہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا رشک دو آدمیوں پر ہی جائز ہے ایک وہ جسے اللہ تعالےٰ نے علم دیا اور وہ اس کے مطابق شب و روز عمل کرتا اور دوسروں کو اس سے ممتتع کرتا ہے۔ دوسرے وہ جسے اللہ تعالےٰ نے دولت عطا کی اور وہ اسے دن رات

اللہ کی راہ میں خرچ کرتا ہے (بخاری کتاب العلم)۔ ایک شخص نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا کونسا اسلام سب سے بہتر ہے۔ آپ نے فرمایا بھوکوں کو کھانا کھلانا۔ ایک دفعہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہؓ سے پوچھا تم میں سے کسے اپنے مال سے زیادہ اپنے وارثوں کا مال پسند ہے صحابہؓ نے عرض کیا کسی کو بھی نہیں۔ فرمایا تو تمہارا مال تو وہی ہے جسے تم نے انفاق فی سبیل اللہ کے ذریعہ آگے بھیجا اور جو پیچھے چھوڑ گیا وہ تو تمہارے وارث کا مال ہے (بخاری باب ما قدم من ماله فهو له) ایک موقعہ پر آپؐ نے فرمایا من

أَعَانَ أَظَلَّهُ اللهُ فِي ظِلِّهِ يَوْمَ لَا ظِلَّ إِلَّا ظِلُّهُ

(مسند احمد بن حنبل، ۳: ۴۸۷) یعنی جو شخص کسی کی امداد کرتا ہے اللہ تعالےٰ اسے اس دن اپنی پناہ میں رکھے گا جب کہ اس کی پناہ کے سوا کوئی جائے پناہ نہیں ہوگی۔

خود نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی مطہر زندگی پہ نظر کرو جنہوں نے قرآن مجید کو اپنے نفس پر عملاً وارد کر لیا تھا تو معلوم ہوتا کہ آپؐ کو کس طرح یتیموں اور مسکینوں کی بہبود اور دستگیری کا خیال تھا۔ نبوت سے پہلے اور نبوت کے بعد جو ولولہ آپؐ کے قلب

مبارک میں موجزن نظر آتا ہے وہ اہل پس ماندہ طبقہ کی خبرگیری ہے حدیث میں آتا ہے فَلَمَّا خَطَبَ اِلَّا اَمَرَ بِالصَّدَقَةَ (مسند احمد بن حنبل ۔ ۵:۲۶۲) یعنے بہت کم ایسا ہوتا تھا کہ حضور اکرمؐ نے کوئی تقریر کی ہو اور اس میں صدقہ خیرات کی تلقین نہ کی ہو۔ آپؐ فرمایا کرتے تھے:۔ یَذْلُ اَلْمَالِ خَيْرٌ وَاِمْسَاكُهٗ شَرٌّ (مسند احمد بن حنبل ۔ ۵:۱۲) مال کا خرچ کرتے رہنا ہی بھلائی کا موجب ہے اور اسے روکے رکھنا خرابی اور برائی کا باعث۔ آغاز وحی کا زمانہ ہے اتنی عظیم الشان ذمہ داری کے احساس سے آنحضرتؐ لرزاں و ترساں ہیں اس وقت آپؐ کی رفیقہ حیات حضرت خدیجۃ الکبریٰؓ نے جن الفاظ میں آپؐ کو تسلی دینا چاہی ان میں سے ایک یہ ہے تکسب المعدوم کہ آپؐ تو بے آسرا لوگوں کی امداد کرتے رہتے ہیں اور قرابتداروں کا پورا حق ادا کرتے ہیں لوگوں کے مصائب ...... میں مدد دیتے ہیں جس شخص میں یہ خوبیاں ہوں وہ اتنی عظیم الشان ذمے داریوں کو اٹھانے کی یقیناً اہلیت رکھتا ہے۔ یہ ایک غمگسار بیوی کے خالی الفاظ میں نہیں ہیں جسے طفل تسلی کا نام دیا جاسکے۔ ظاہر ہے اگر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم میں یہ خصائص بدرجہ اتم موجود

نہ ہوتے تو یقیناً محض خالی الفاظ ان کی دہشت اور حقیقی گھبراہٹ اور پریشانی کو دور نہیں کر سکتے تھے۔

اس طرز عمل اور ایسی ہدایات کا نتیجہ تھا کہ صحابہؓ نے اپنی عالم غربت اور ناداری کے باوجود جس طرح مالی جہاد کیا وہ اسلام کی تاریخ کے روشن کارنامے ہیں۔ صحابہ کرام رضؓ کا یہ حال تھا کہ امیر تو امیر وہ بھی جن کے پاس کچھ نہ تھا اللہ تعالیٰ کی راہ میں کچھ نہ کچھ خرچ کرنے کے لئے بے تاب تھے۔ چنانچہ جب یہ حکم ہوا کہ صدقہ و خیرات ہر مسلمان کے لئے ضروری ہے تو غریب و نادار صحابہؓ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کی حضور جس کے پاس دینے کے لئے کچھ نہ ہو وہ کیا کرے۔ آپؐ نے فرمایا وہ محنت مزدوری کر کے اپنے ہاتھ سے پیدا کرے۔ خود بھی فائدہ اٹھائے اور دوسروں پر بھی خرچ کرے۔ آپؐ کے اس ارشاد کا اثر تھا کہ صحابہؓ بازار میں جا کر بوجھ اٹھاتے تھے اور اس سے جو کچھ ملتا تھا اسے اللہ تعالیٰ کی راہ میں خرچ کر دیتے تھے (بخاری کتاب الزکوٰۃ)

جہاد کی اہمیت، جہاد کا مفہوم اس کی اقسام اور جہاد بالمال کی اہمیت بتانے کے بعد اب میں یہ بتانا چاہتا ہوں کہ اسلام

کے صدقہ و خیرات کے ضابطے میں حکم خداوندی بھی ہے اور عقلی دقیقہ رسی بھی۔ فرمان الٰہی بھی ہے اور علمی بلند پروازی بھی، امر ربانی بھی ہے اور حکم فطرت بھی، گویا کتاب و حکمت دونوں کی آمیزش ہے اور اس نے صدقہ و خیرات کے تمام سکے تمام گوشوں کا احاطہ کیا ہے اس مضمون کو سمجھنے کے لئے ہمیں ان اصلاحات پر ایک نگاہ ڈالنا چاہیئے جو اسلام نے جہاد بالمال کے سلسلے میں کی ہیں۔

جہاد بالمال اور انفاق فی سبیل اللہ کے سلسلے میں اسلام نے جو اصلاحات کی ہیں ان میں سے ایک یہ ہے کہ عبادت میں خدا اور مخلوق کے درمیان واسطوں کو حذف کر دیا ہے۔ اس بناء پر مفت خوروں اور عبادت گاہوں کے متولیوں اور کاہنوں کی ضرورت ساقط ہو گئی ہے۔ اس کا ایک اہم نتیجہ یہ ہے کہ صدقہ و خیرات کا یہ مصرف جو فقط بے کار تھا اور جس سے غریبوں اور حقیقی مستحق لوگوں کا پیٹ کاٹا جاتا تھا کلیتہً حذف کر دیا۔ اس طرح اسلام نے عبادات میں سادگی پیدا کر کے ظاہری رسموں اور نمائشوں سے اسے پاک کر دیا۔ اس لئے سونے چاندی کے سامانوں، قربانی کے برتنوں اور محرابوں کے طلائی شمعدانوں کی ضرورت ہی نہیں رہی۔ جنہیں یہودی اور دوسرے مذاہب میں بڑی اہمیت ہو گئی ہے اور

خیرات کے روپے کا خاصا حصہ ان میں برباد کر دیا جاتا تھا۔
ایک بہت بڑی اصلاح اسلام نے یہ کی کہ مفت خوروں اور بلیک میلروں کا منہ بند کرنے کے لئے اور حکومت کے اہلکاروں کے مصارف کا شکار بنانے کی بجائے مصارف زکوٰۃ کی نوع تعیین کر دی تا غیر مستحقین کا منہ بند ہو جائے۔ اور مفت خوروں کی عادت بد کی اصلاح ہو سکے۔ چنانچہ سورۃ توبہ کے ساتویں رکوع میں اس کا مفصل ذکر ہے۔ اگر مصارف زکوٰۃ کی تعیین نہ کی جاتی اور اس کے مستحقین کے اوصاف نہ بتا دیئے جاتے تو یہ سرمایہ خلفاء اور سلاطین کے ہاتھوں میں کھلونا بن جاتا اور سلطنت کی دوسری آمدنیوں کی طرح یہ مد بھی اُن کے عیش و عشرت کے پُر تکلف سامانوں اور ذاتی مصالح کی نذر ہو جاتی۔ اسی طرح اسلام نے زکوٰۃ کے روپیہ کو زکوٰۃ دینے والے کی ذاتی ضروریات میں صرف کرنے کی بھی ممانعت کر دی کہ اگر وہ مالک کی ضروریات اور اسکی صوابدید ہی پر صرف ہو گئی تو غرباء کے حصے میں کیا آئے گا۔
زکوٰۃ و صدقات وغیرہ کی مالی قربانیاں جب کوئی لیڈر اپنے متبعین پر عائد کرتا ہے تو جماعت کے افراد میں اس بدگمانی کے پیدا ہونے کے قوی امکانات ہیں کہ وہ لیڈر اس طرح اپنے اور

اپنے خاندان کے لئے ایک دائمی آمدنی کا سلسلہ پیدا کرنا چاہتا ہے لیکن رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس قسم کی بدگمانیوں کا ہمیشہ کے لئے خاتمہ کر دیا۔ اور اپنے خاندان کے لئے قیامت تک زکوٰۃ و صدقات کی ہر مد قطعی طور پر حرام کر دی۔ امام زمانؑ کا اسوۂ بھی ہمارے سامنے ہے۔ وصیت وغیرہ کی شکل میں ۱/۱۰ سے ۱/۳ حصہ جائداد یا آمد کی قربانی کا آپ نے جماعت سے مطالبہ کیا لیکن نہ انجمن کے دستور میں اور نہ اپنے طریق عمل سے کوئی ایسی راہ پیدا ہونے دی کہ یہ روپیہ یا اس پر تصرف کسی رنگ میں بھی اُن کے خاندان کی جاگیر بن سکے۔ انجمن کو اس کا متولی قرار دیا اور اپنے خاندان کے کسی فرد کے لئے محض خاندان کا فرد ہونے کی وجہ سے کوئی امکان نہ رکھا کہ وہ اس روپیہ پر متصرف ہو سکے اصل معیار وہی ہے ان اکرمکم عند اللہ اتقاکم۔

توراۃ نے کہا تھا:۔

"خداوند کے لئے نذر کرتے وقت آدھے
مثقال سے امیر زیادہ نہ دے اور غریب
کم نہ دے" (خروج ۳۰: ۱۵)

اس کلمہ میں شرح اور نصاب دونوں ضروریات کو نظر انداز کر دیا گیا ہے لیکن اسلام نے ان طبعی ضرورتوں کو مدنظر رکھا ہے، وہ غریبوں، ناداروں، مقروضوں اور غلاموں کے لئے جو سرمایہ نہیں رکھتے اور اپنی آزادی کے لئے سرمایہ جمع کر رہے ہیں اس سے بالکل مستثنیٰ کر دیا اور ان پر زکوٰۃ کی کوئی مقدار خواہ وہ آدھا مثقال یا اس سے کم و بیش ہو فرض نہیں کی اور پھر اس نے سرمایے کی کمی بیشی کو نظر انداز نہیں کیا۔ اور کم اور زیادہ دولتمند کی سطحوں میں جو یکساں زکوٰۃ کی ناہمواری تھی اسے دور کر دیا۔ اس طرح اسلام نے ہر قسم کے جانوروں پر یکساں شرح زکوٰۃ مقرر نہیں کی مختلف قسم کے جانوروں میں نسل کی افزائش کی صلاحیت اور مدت افزائش یعنی زمانہ حمل یکساں نہیں ہوتا۔ تیز جانوروں میں دسویں اور بیسویں کا حصہ متشارع ہر تعداد پر چسپاں نہیں ہو سکتا اس لئے ان میں دسویں اور بیسویں کی بجائے جیسے نقد رقوم میں مدنظر رکھا گیا تھا تعداد کی تعیین کر دی اور پیدائش افزائش کی مدت، کیفیت اور کمیت کی بناء پیداوار یا کم نسل کے جانوروں کو زکوٰۃ سے مستثنیٰ کر دیا اور دوسرے جانوروں کی مالیت، کارکردگی، قوت اور کیفیت افزائش کے لحاظ سے مختلف شرحیں معین کیں۔

زکوٰۃ کا نصاب، اس کی مدت کی تعیین میں حکمت کہ وہ سال میں ایک ہی بار فرض کی گئی ہے اس کی شرح اور مقدار اور کس طرح جس حد تک محنت اور سرمایہ کم صرف ہوتا ہو تو زکوٰۃ کی مقدار اسی نسبت سے زیادہ رکھی ہے اور جیسے جیسے محنت بڑھتی اور سرمائے کا اضافہ ہوتا جاتا ہے زکوٰۃ کی شرح کم ہوتی جاتی ہے، ان سب باتوں میں اسلام نے بڑی بڑی لطیف حکمتوں سے کام لیا ہے۔ اس نے بڑی نکتہ سنجی سے کام لیتے ہوئے پیداوار کی مختلف اقسام پر زکوٰۃ کی مختلف شرحیں مقرر کی ہیں اور سب سے پہلے پیداوار کی ان اصناف کو لیا ہے جو کچھ زمانے تک محفوظ رہ سکیں۔ اسی بناء پر سبزیوں اور ترکاریوں پر کوئی زکوٰۃ مقرر نہیں فرمائی۔ اسی طرح رکاز یعنی قدیم دفینوں اور اس مالیت پر جس میں نشو ونما اور ترقی کی صلاحیت نہیں مثلاً مشینیں، آلات، مکان، لباس اور گھریلو سامان وغیرہ پر بھی زکوٰۃ نہیں رکھی۔ وہ زمینیں جن کے جوتنے اور بونے کی محنت ومزدوری کا خرچ گو کاشتکار کرتا ہے مگر موسمی اور جغرافیائی خصوصیات کی وجہ سے ان کے سیراب کرنے میں کاشتکار کی کسی بڑی محنت اور مزدوری کو دخل نہیں ہوتا بلکہ وہ بارش یا زمین کی نمی اور شبنم سے

آپ سے آپ سیراب ہوتی ہے اس پر بلا محنت والی اتفاقی دولت (رکاز) سے آدھی زکوٰۃ یعنی ۱/۱۰ مقرر کیا گیا۔ زمین کی وہ اقسام جن کی سیرابی کاشتکار کی خاصی محنت مزدوری اور خرچ سے ہو، مثلاً نہر یا ٹیوب ویل یا رہٹ وغیرہ سے تو اس میں قسم اول سے بھی نصف یعنی ۱/۲۰ حصہ مقرر کیا ہے۔ نقد سرمایہ اور مال تجارت جس کی ترقی، حفاظت، نشو و نما اور افزائش میں انسان کو شب و روز محنت کرنا پڑتی ہے اور جس میں ہر قدم پر چوری گمشدگی، حادثات اور نقصان کا اندیشہ ہے۔ زمین کی مندرجہ بالا دوسری قسم سے بھی نصف یعنی ۱/۴۰ حصہ مقرر کیا۔

زکوٰۃ کی شرح مقدار کی تعیین میں ایک اور نکتہ یہ مضمر ہے کہ خمس میں چونکہ حکومت کے تمام مصارف شامل ہیں اس لئے وہ کل کا خمس یعنی ۱/۵ مقرر ہوا اور زکوٰۃ کے مصارف جیسا کہ سورۃ توبہ میں مذکور ہے صرف آٹھ ہیں۔ اسی طرح آٹھ مصارف کی شرح مقدار ۱/۵ کا ۱/۸ یعنی ۱/۴۰ مقرر ہوا۔ غرض زکوٰۃ کی کل شرحیں ۱/۵، ۱/۱۰، ۱/۲۰ اور ۱/۴۰ ایک دوسرے کا نصف یا ایک دوسرے کا مضاعف ہوتی چلی گئی ہیں۔ اس سے ظاہر ہوگا کہ یہ تقسیم و تحدید حساب اور اقتضادیات کے معین اصولوں پر مبنی ہے۔ لیکن یہ ایک دوسرا

بحث ہے اور یہ موقع نہیں کہ معاشیات کے نقطۂ نگاہ سے زکوٰۃ کے مقام کی عظمت و بلندی کو بیان کیا جا سکے۔ بہرحال یہ ظاہر ہے کہ زمینی پیداوار اور نقد سرمایہ میں شرح زکوٰۃ کی کمی بیشی دقیق اقتصادی حکمتوں پر مبنی ہے۔

اسلام کی تعلیم مختلف انسانی طبیعتوں کے موافق اور فطرت سلیمہ کے مطابق ہے۔ اس نے ہر ایک کے لئے اس کی استعداد حیثیت اور اہلیت کے مطابق نجات کا دروازہ کھول رکھا ہے اس نے جہاد بالمال کے سلسلے میں بھی وہ طریق سکھایا ہے جس سے اہل حاجت کی ضروریات کی تکمیل اور نیک کاموں کے لئے ہر وقت امداد مل سکتی ہے اور ساتھ ہی ساتھ اہلِ دل اور اہلِ استعداد کے لئے بلند سے بلند روحانی معیار کی دعوت و ترغیب بھی پیش کر دی ہے تاکہ اُمت کے مخیر اور با حوصلہ افراد ہمت کے شاہ پروں سے اُڑ کر اس سدرۃ المنتہیٰ تک پہنچنے کی کوشش کریں جو ہر مومن کا نقطۂ عروج ہے۔

ویدک مذہب نے تیاگ کی تلقین کی، یہودیت نے نہ دولت مند کی تحقیر کی نہ مفلسی اور غربت کو سراہا بلکہ اس بحث کو غیر منفصل چھوڑ دیا۔ عیسویت کی نظر میں دولتمندی اور تمول

نجات کی راہ کا کانٹا ہے۔ انجیل کہتی ہے کہ مسیح نے کہا:۔

"اگر تو کامل ہونا چاہتا ہے تو جا کے جو سب
کچھ تیرا ہے بیچ ڈال اور محتاجوں کو دے
دے کہ تجھے آسمان کا خزانہ ملے تب
آ کے میرے پیچھے ہو لے"

پھر کہا:۔

"دولت مند کا آسمان کی بادشاہت میں داخل
ہونا مشکل ہے۔ اونٹ کا سوئی کے ناکہ سے
گذر جانا آسان ہے کہ دولت مند خدا کی
بادشاہت میں داخل ہو" (متی ۱۹ : ۲۱)

بدھ مذہب نے بھیک کی تلقین کی اور کہا دنیا کو ترک کر دو اور جب بھوک لگے تو بھیک کا پیالہ لے کر لوگوں کے دروازوں پر کھڑے ہو جاؤ۔ یہ سب غیر طبعی تعلیمیں ہیں اسلام نے ان سب طریقوں کو ناپسند کیا ہے اور ایک صحتمند اقتصادی نظام پیش کیا ہے۔

اسلام نے غریبوں، مسکینوں، یتیموں اور حاجتمندوں کے تکفل اور ان کی تکلیفوں اور مصیبتوں کو کم کرنے کی محض تلقین ہی نہیں

کی بلکہ اس کی عملی تدابیر کی ہیں یہ تدابیر دو حصوں پر مشتمل ہیں ایک یہ کہ ہر مسلمان کو نصیحت کی ہے کہ جس سے جتنا بن پڑے وہ غریبوں کی امداد کرے لیکن صرف اخلاقی ترغیب و تشویق تک اپنی تعلیم کو محدود نہیں رکھا کیونکہ محض اخلاقی وعظ ہر شخص کو اس ضروری نیکی پر مجبور نہیں کر سکتا، اس لئے اس نے دوسرا طریق یہ اختیار کیا کہ ایک مقدار معین کے مالک پر جسے شریعت کی اصطلاح میں نصاب کہتے ہیں ایک ایسا قانونی محصول عاید کر دیا جس کا ادا کرنا اس کا مذہبی اور قانونی فرض ہے اور جس کے متعلق حکم ہے تؤخذ من اغنیائھم وترد علی فقرائھم (بخاری کتاب الرد علی الجہمیۃ) اگر یہ حکم صرف اخلاقی حیثیت سے یا صرف مبہم طریقے سے ہوتا یا سب کچھ دے ڈالنے کا عام حکم دے دیا جاتا تو کبھی اس پر اس خوبی، اس نظام اور اس پابندی کے ساتھ عمل نہ ہو سکتا۔ شریعت نے اسے مذہبی فرض قرار دیا اسے حکومت کا فرض قرار دیا اور اس پر تفصیلی ضابطہ مرتب کیا۔ اور اگر ہر قسم کا صدقہ قانون کے تابع کر دیا جاتا تو اس سے دل کی پاکیزگی، نہ روح کی صفائی اور نہ عمل کے اخلاص کی غرض و غایت فنا ہو جاتی - اس لئے اسلام

دونوں طریق اختیار کئے، غریب پروری کا ایک حصہ قانون سے وابستہ کر دیا اور نفس کی اصلاح کے لئے ایک حصے کو طوعی و نفلی قرار دے دیا۔ اس طرح اسلام نے توراۃ کی قانونی تعیین اور انجیل کی اخلاقی تعیین دونوں کی حقیقتوں کو اپنے نظام میں جمع کر لیا ہے اور دونوں کی برائیوں سے اس کا دامن پاک ہو گیا ہے۔

اسلام نے داد و دہش اور مالی جہاد کے کچھ آداب بھی مقرر کئے ہیں۔ آداب کی پابندی سے نیکیوں میں خوشگواری پیدا ہوتی ہے۔ انسان مہذب، شائستہ اور باوقار بن جاتا ہے اور اگر انہیں نظر انداز کر دیا جائے تو نیکیاں بھی اپنی افادیت کو کھو دیتی ہیں۔

ہم جو کام بھی کرتے ہیں اس کی دو شکلیں پیدا ہوتی ہیں، ایک مادی جو ہمارے ظاہری جسمانی اعضاء کی حرکت و جنبش سے پیدا ہوتی ہے، دوسری روحانی جس کا ہیولیٰ ہمارے دل کے ارادے اور نیت اور نیک کام کی اندرونی غرض و غایت سے تیار ہوتا ہے جہاد بالمال کا ظاہری حصہ تو یہ ہے کہ اس سے غریب پروری کا سامان پیدا ہوتا ہے لیکن اس کا روحانی ہیولیٰ انسان کی نیت اور غرض

پر مبنی ہے۔ اس لئے اعمال کی راستی اور ناراستی، اچھائی اور برائی کا بہت بڑا مدار غرض و نیت پر ہے۔ بخاری کی پہلی حدیث ہے الاعمال بالنیات نیت اور عمل کا پہلو بہ پہلو چلنا ضروری ہے نیت کے بغیر عمل بے سود ہے اور عمل کے بغیر محض ارادے ہی کرتے رہنے کا بھی کوئی فائدہ نہیں۔ جہاد بالمال میں جس صحت نیت کی ضرورت ہے وہ یہ ہے کہ انسان ریا اور نمائش سے اپنے آپ کو بچائے۔ ریا صحت نیت اور اعمال کی غرض وغایت کی بنیاد ہی کو کھوکھلا کر دیتا ہے اور اس سے ساری عمارت کے بودی اور کمزوری ہو جاتی ہے۔ ریا اور نمائش کا جذبہ انسان ہر اس عمل میں ظاہر ہوتا ہے جو خالصتہً لوجہ اللہ نہ کیا جائے بلکہ اس میں کوئی اور دنیوی غرض اور بڑائی مطلوب ہو، اسلام نے ریا کا نام شرک خفی اور شرک اصغر رکھا ہے اور جہاد کے سلسلے میں خاص طور پر اس لفظ کو شامل کیا ہے۔ اور جہاد فی سبیل اللہ اس کا نام رکھا ہے۔

جہاد بالمال کے سلسلے میں ایک ادب یہ ہے کہ صدقہ چھپا کر بھی دیا جائے اور علی الاعلان بھی جیسے اللہ تعالےٰ قرآن مجید میں فرماتا ہے:۔ اِنْ تُبْدُوا الصَّدَقٰتِ فَنِعِمَّا

هِيَ وَإِنْ تُخْفُوهَا وَتُؤْتُوهَا الْفُقَرَاءَ فَهُوَ خَيْرٌ لَّكُمْ (البقرۃ ۲: ۲۷۱)

جہاد بالمال کے سلسلے میں ایک ادب یہ ہے کہ جس شخص کی امداد کی جائے اس پر کسی قسم کے احسان کا بار نہ رکھا جائے اور نہ اسے ممنون کرم بنایا جائے نہ عام مجمعوں میں اسے ذلیل ہونے دیا جائے کیونکہ اس سے اگر دینے والے کی اخلاقی پستی اور دنائیت ظاہر ہوتی ہے تو دوسری طرف لینے والے کی خودداری کی روح اور اخلاقی غیرت کی حس کو صدمہ پہنچتا ہے۔ اور اس کے بجائے کہ لینے والا اس طرح دینے والے کا ممنون ہو دل میں اس سے نفرت پیدا ہو جاتی ہے پھر رفتہ رفتہ اس کی اخلاقی حس اور غیرت و شرمندگی کا شریفانہ جوہر ہمیشہ کے لئے فنا ہو جاتا ہے۔ جیسے فرمایا لَا تُبْطِلُوا صَدَقَاتِكُمْ بِالْمَنِّ وَالْأَذَىٰ (البقرہ ۲: ۲۶۴)

حاجتمندوں کی نفسیات کو پستی سے بچانے کے لئے خود ان کے لئے بھی بعض آداب مقرر کئے ہیں اول تو اسلام نے فقراء و مساکین میں سے ان لوگوں پر جو بے حیائی کے ساتھ در بدر بھیک مانگتے پھرتے ہیں انہیں ترجیح دی ہے جو فقر و فاقہ

کی ہر قسم کی تکلیف گوارا کرتے ہیں لیکن اپنی عزت، آبرو اور خودداری کو ہاتھ سے نہیں جانے دیتے۔ یہ تعلیم خود قرآن مجید نے دی ہے جہاں فرمایا ہے یَحۡسَبُہُمُ الۡجَاہِلُ اَغۡنِیَآءَ مِنَ التَّعَفُّفِ (البقرۃ۔ ۲: ۲۷۳)

اسی طرح اسلام نے ان مستور الحال سفید پوش مسکینوں کی طرف متوجہ کیا ہے جو صبر و قناعت کے ساتھ فقر و فاقہ کی تکلیف برداشت کر رہے ہیں کہ ان کی خبر عموماً لوگوں کو نہیں ہوتی اور اکثر وہ امداد سے محروم رہ جاتے ہیں۔ پھر بتایا الید العلیا خیر من ید السفلیٰ کہ دینے والے ہاتھ بنو لینے والے نہ بنو۔ حرص، طمع، لالچ، دنائت، دوں ہمتی، دوسری کی دست نگری اور ان کے سہارے جینے کی ذلت ان میں سے کونسی چیز ہے جو غیر مستحق گداگروں اور فقراء میں پیدا نہیں ہو جاتی۔ اس سے بچانے کے لئے فرمایا:- ان ھٰذہ الصدقات انما ھی اوساخ الناس (مسلم، کتاب الزکوٰۃ) صدقات لوگوں کی میل کچیل ہیں۔ درحقیقت یہی اخلاقی برائیاں وہ میل ہے جو صدقہ و زکوٰۃ دینے والوں کے دامن سے چھٹ کر فقراء اور گداگروں کے دامن دل کو نجس بنا دیتا ہے۔ اگر آج ان فقیروں اور گداگروں

کی صورتوں اور سیرتوں پر نظر ڈالی جائے جو کسی استحقاق شرعی اقتصادی کے بغیر اس مال سے فائدہ اُٹھاتے ہیں تو نظر آجائے گا کہ رسول پاکؐ نے صدقہ وخیرات کو لوگوں کے دلوں کا میل قرار دے کر کتنی بڑی صداقت کو آشکار کیا ہے۔ ایک دفعہ ایک حاجتمند صحابیؓ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے کچھ مانگا۔ آپؐ نے دے دیا اور فرمایا مانگنے کی عادت اچھی نہیں ہوتی اس کے بعد اس صحابیؓ کی یہ حالت تھی کہ گھوڑے پر سوار ہونے کی حالت میں اتفاقاً اگر کوڑا بھی گر جاتا تو وہ پیدل چلنے والے سے نہیں کہتے تھے کہ مجھے پکڑا دو بلکہ خود اُترتے اور کوڑا اُٹھا لیتے حضرت خلیفۃ المسیح فرمایا کرتے تھے میں نے کبھی شہر والوں سے بھی کھانا مانگ کر نہیں لیا۔

اسلام نے جہاں غریبوں اور حاجتمندوں کی مادی ضروریات کا خیال رکھا ہے وہاں اُن کی نفسیات کا بھی خیال رکھا ہے اور اُن کے جذبات کو پامال ہونے سے بچایا ہے۔ چنانچہ مخیّر لوگوں کو فرمایا کہ جو مال تمہارے پاس اور تمہارے قبضہ میں ہے اس میں غرباء کا حق بھی ہے فی اموالھم حق للسائل والمحروم یعنے ان کا حق ہے پس اگر تم صدقہ وخیرات کرتے

ہو تو یہ تمہارا احسان نہیں بلکہ بحقدار رسید والا معاملہ ہوتا ہے
حدیث کے الفاظ پہ غور کرو، آنحضرت صلّی اللہ علیہ وسلّم نے
زکوٰۃ کے متعلق فرمایا ہے توخذ من اغنیائھم و
ترد الیٰ فقرائھم - اس جگہ ترد کے الفاظ غور طلب
ہیں، فرمایا زکوٰۃ کا روپیہ غریبوں کو لوٹا دیا جائے گا یعنی دراصل
یہ انہیں کا مال ہے جو انہیں واپس مل جاتا ہے - بلکہ اصل حقیقت تو
یہ ہے یہ مال حقیقت میں میرا تیرا کسی کا بھی نہیں وہ صرف خدا کا ہے،
وہی اس کا مالک ہے اسی کی چیز ہے اور اسی کی راہ میں دی جانی
چاہیئے فرمایا وَمَا لَکُمْ اَلَّا تُنْفِقُوْا فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ
وَلِلّٰہِ مِیْرَاثُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ (حدید ۵۷: ۱۰)
بھلا یہ خیال بھی کس طرح کیا جاسکتا ہے کہ انفاق فی سبیل اللہ سے
کنارہ کشی کی جائے جب زمین و آسمان کی ہر دولت خدا تعالےٰ
ہی کی ملکیت ہے وللہ میراث السمٰوٰت کے الفاظ
سورۃ آل عمران (۳: ۱۸۰) میں بھی آئے ہیں۔

دولتمند بعض دفعہ سمجھتا ہے کہ مجھی میں کوئی بات ہے جس
کی وجہ سے مجھے یہ دولت ملی ہے یا مجھے ہی کوئی ایسا ہنر اور
طریقہ معلوم ہے جس کی وجہ سے میں نے یہ دولت کمائی ہے

چنانچہ قرآن مجید میں قارون کے منہ سے یہ الفاظ بیان کئے ہیں اِنَّمَآ اُوْتِیْتُهٗ عَلٰى عِلْمٍ (الزمر ۳۹ : ۵۰)

یاد رکھنا چاہیئے کہ قرآن کی اصطلاح میں قارون مال و دولت کے سمیٹنے اور اسے جمع کرنے اور راہ خدا میں خرچ نہ کرنے والے وجود کا تمثل ہے۔

کفر و نفاق اور انکار بالآخرت کے بعد مال و دولت کی محبت بھی وہ کثیف غبار ہے جو دل کے آئینہ کو میلا کرتا اور جہاد بالمال کے راستے میں روک بنتا ہے۔

انفاق فی سبیل اللہ کے بارے میں بعض لوگوں کا طریق ہوتا ہے کہ پھٹے پرانے کپڑے، شکستہ جوتے، حقیر اور ردی چیزیں صدقہ و خیرات میں دے دی جاتی ہیں۔ ان کے دینے کی ممانعت نہیں اس طرح یہ حصہ بھی زیر استعمال آجاتا ہے۔ لیکن اسلام بتاتا ہے کہ مومن کی نگاہ بلند ہوتی ہے اس سے اس نے یہ حکم بھی دیا ہے کہ صدقہ و خیرات میں مال کا عمدہ اور بہتر حصہ بھی دیا جائے چنانچہ فرمایا یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْٓا اَنْفِقُوْا مِنْ طَیِّبٰتِ مَا كَسَبْتُمْ (البقرة ۲ : ۲۶۷) یہ حکم اس لئے ہے تا مبتذل اور ادنے درجہ کی چیزوں

کے دینے اور لینے سے دینے اور لینے والے کے اندر پستی اور دنائت نہ پیدا ہو۔ کیونکہ ردّی چیزوں کے لینے سے لینے والے کے اندر حد درجہ کا لالچ اور چھچھورا پن پیدا ہوگا کہ معمولی اور سڑی گلی چیز تک اس کے لالچ سے نہیں بچ سکی۔ اور دوسری طرف دینے والے کی رُوح بھی اس قسم کی خیرات سے بلندی اور علو کی بجائے نجالت، حرص، کمینہ پن اور تزکیہ کی بجائے اور زیادہ نجاست اور گندگی پیدا ہوتی اسی طرح قرآن نے مومن کو مخاطب کیا ہے اور فرمایا ہے اپنے بیکس پر مال کے طیب اور عمدہ حصے کو بھی خرچ کرو۔

مالی جہاد کے متعلق اسلام نے ایک یہ ادب سکھایا ہے کہ یہ کوئی سخاوت نہیں کہ انسان عمر بھر اپنی دولت کو اپنے کلیجے سے لگائے رکھے اور جب موت سامنے آ کھڑی ہو تو ہاتھ ملے اور افسوس کرے کہ اب ذرا سا موقعہ مل جائے تو دولت کو نیک کاموں میں صرف کروں۔ قرآن مجید نے ایسے انسان کی بے بسی کا نقشہ کس پُر اثر انداز سے کھینچا ہے جہاں فرمایا:۔

وَاَنْفِقُوْا مِنْ مَّا رَزَقْنٰكُمْ مِّنْ قَبْلِ اَنْ يَّاْتِيَ اَحَدَكُمُ الْمَوْتُ فَيَقُوْلَ رَبِّ لَوْلَآ اَخَّرْتَنِيْٓ

اِلٰٓی اَجَلٍ قَرِیۡبٍ ۙ فَاَصَّدَّقَ وَ اَکُنۡ مِّنَ الصّٰلِحِیۡنَ

(المنافقون ۶۳ : ۱۰)

حدیث میں آتا ہے ایک شخص نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا کونسا صدقہ سب سے بڑا اور بہتر ہے آپ نے فرمایا یہ کہ تم صدقہ کرو اور تم تندرست ہو یا مال کی خواہش ہو اور جینے کی بھی امید ہو اور تم اسکا انتظار نہ کرو کہ جب کرنے لگو تو کہو کہ فلاں کو اتنا دیدو اور فلاں جگہ اتنا خرچ کر دو حالانکہ اب تو وہ چند ساعت ہیں فلاں کا ہو ہی رہا ہے (مسلم باب افضل الصدقہ)

اسی جگہ مالی جہاد کے بارے میں تمام آداب کا استقصاء مدِّنظر نہیں صرف یہ بتانا مقصود تھا کہ کس طرح اسلام نے اس بارے میں بھی اپنی تکمیلی شان کا اظہار کیا ہے۔

اب میں یہ بتانا چاہتا ہوں کہ اسلام نے محض جہاد بالمال کی تلقین ہی نہیں کی بلکہ ایک ایک کر کے ان تمام سنگہائے گراں کی نشان دہی بھی کی ہے جو اس قربانی کی راہ میں روک بن جاتے ہیں۔ اسلام بتاتا ہے کہ انفاق فی سبیل اللہ سے روکنے والے اسباب میں سے سب سے بڑا دخل بخل کو ہے۔ بخل اساسی بداخلاقیوں میں سے ہے، خیانت، بددیانتی، بے مروّتی، نفاق

بغض، بے رحمی، بد سلوکی اور دنائت بھی اسی سے پیدا ہوتی ہے۔ حرص، طمع، لالچ، تنگ نظری، کم ہمتی اسی ایک جڑ کی مختلف شاخیں ہیں۔ اسلام نے اس جڑ کو بھی کاٹا ہے اور بتایا ہے کہ بخل ان بیماریوں میں سے جو اعمال کی جزاء و سزا پر قلبی یقین نہ رکھنے کا نتیجہ ہے کیونکہ جو شخص اعمال کی پاداش پر یقین نہیں رکھتا وہ اپنی محنت سے کمائی ہوئی دولت دوسرے کے حوالے کرنے پر بآسانی تیار نہیں ہو سکتا۔ سورۃ ہمزۃ میں اس بخیل کا نقشہ کھینچا گیا ہے جو دولت کی تھیلیوں کو اپنی حیات جاوید کی اکسیر جانتا ہے اور سمجھتا ہے کہ ان کی بدولت وہ ہمیشہ کی زندگی پائے گا۔ اور اس کی دولت اس سے کبھی علیحدہ نہیں ہوگی، فرمایا الذی جمع مالہ وعددہ۔ اسی طرح مال و دولت کو لپیٹ لپیٹ کر رکھنے اور کار خیر میں خرچ نہ کرنے والے کو اس بھڑکتی ہوئی جہنم میں ڈالا جائے گا جو کھال تک کھینچ لے۔ کَلَّا اِنَّهَا لَظٰی نَزَّاعَةً لِّلشَّوٰی۔ (المعارج۔ ۷۰: ۱۵) اللہ تعالے ہم سب کو اس بخل کی لعنت سے محفوظ رکھے۔

انفاق فی سبیل اللہ کے راستے میں ایک روک حرص و طمع

کی بیماریاں ہیں یہ وہ برائیاں ہیں جن سے نفس کی دناءت پوری طرح ظاہر ہو جاتی ہے خصوصاً وہ حرص و طمع جس میں بخل کی آمیزش بھی ہو، عربی میں اسے شُحّ کہتے ہیں جس کی برائی قرآن مجید میں کئی جگہ پر آتی ہے جیسے سورۃ النساء (۴: ۱۲۸) الحشر (۵۹: ۹) التغابن (۶۴: ۱۶)

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہؓ سے فرمایا حرص و طمع و لالچ سے بچو کہ اس نے تم سے پہلی قوموں کو برباد کر دیا تھا (مسلم باب تحریم الظلم) ایک دوسرے موقعہ پر آپؐ نے فرمایا ایمان اور حرص ایک دل میں جمع نہیں ہو سکتے (نسائی) پھر فرمایا وہ بھیڑیئے جو بکریوں کے گلے میں چھوڑ دیئے جائیں وہ اسے اتنا برباد نہیں کرتے جتنا مال و جاہ کی حرص انسان کے دین اور ایمان کو برباد کر دیتی ہے (ترمذی) قرآن مجید میں بخل، حرص اور طمع کی سب سے بڑی تمثال کا نام قارون بتایا گیا ہے۔ قرآن مجید نے وضاحت سے بتایا ہے کہ بخیل دوسروں کے ساتھ بخل نہیں کرتا بلکہ درحقیقت وہ خود اپنے ساتھ بخل کرتا ہے۔ وَمَنْ یَّبْخَلْ فَاِنَّمَا یَبْخَلُ عَنْ نَّفْسِہٖ۔ (محمد ۴۷: ۳۸)

اسلام کی کوئی تعلیم بھی حکم کے طور پر نہیں بلکہ وہ سرتاپا

حکمتوں اور مصلحتوں پر مبنی ہے اور اس کے فرائض کی عمارت روحانی اخلاقی، اور اجتماعی فوائد پر قائم ہے۔ حضرت شاہ ولی اللہ محدث نے اپنی کتاب حجۃ اللہ البالغہ میں اور امام زمانؒ نے "اسلامی اصول کی فلاسفی" کے اندر اس مضمون کو بڑے لطیف انداز میں بیان کیا ہے۔

جہاد بالمال کا حکم بھی مصالح اور مقاصد کے بغیر نہیں ہے اس کے عظیم الشان فوائد و نتائج کے بیان سے قرآن مجید بھرا پڑا ہے۔ اس سلسلے میں قرآن مجید نے سب سے پہلی بات تو یہ بتائی ہے وَمَنْ جَاهَدَ فَإِنَّمَا يُجَاهِدُ لِنَفْسِهِ (عنکبوت - ۲۹: ۶) یعنے مجاہد کا اصل فائدہ تو خود مجاہد ہی کو پہنچتا ہے۔

پھر جہاد بالمال اور صدقہ و خیرات کا بنیادی مقصد وہ ہے جو اس آیت میں بیان کیا گیا ہے خُذْ مِنْ أَمْوَالِهِمْ صَدَقَةً تُطَهِّرُهُمْ وَتُزَكِّيهِمْ بِهَا (التوبہ ۹: ۱۰۳) یعنی صدقہ و خیرات کا بہت بڑا مقصد معاشرے کی تطہیر اور نفوس انسانی کا تزکیہ ہے۔ سورۃ بقرہ کے شروع میں ہی اللہ تعالےٰ نے اپنے بندوں کے کچھ اوصاف بتائے ہیں۔ ان میں سے

ایک یہ ہے وَ مِمَّا رَزَقْنٰھُمْ یُنْفِقُوْنَ یعنی اللہ تعالےٰ نے جس بندے کو جو کچھ اپنے فضل سے دیا ہے اسے اس میں سے اس شخص کو دینا چاہیئے جسے یہ نہیں ملا، یا ضرورت سے کم ملا ہے۔ اور اس ایثار کو متقیوں کی شان قرار دیا ہے۔ پھر اس جگہ یہ مضمون بھی بیان ہوا ہے کہ قرآن مجید کی شان یہ ہے کہ یہ ھدًی للمتّقین ہے یعنی متقیوں کو ترقّی کی راہیں بتاتا اور وصال الٰہی کے راستے پر گامزن کروا دیتا ہے اب پورا مضمون یہ ہوا کہ وصال الٰہی کی راہوں پر گامزن ہونے کے لیئے اولین شرط یہ ہے کہ انسان انفاق فی سبیل اللہ کی صفت اپنے اندر پیدا کرے۔ اگر کسی شخص میں یہ خوبی نہیں ہے تو اسے سمجھ لینا چاہیئے کہ وہ قرآن مجید کی ہدایتوں سے بھی بہرہ مند نہیں ہو سکتا۔ اسلام اور قرآن کے فوائد سے اگر کسی نے حصّہ لینا ہے تو اس کے لیئے ضروری ہے کہ وہ جہاد بالمال کے ذریعہ اپنے تئیں اس کا مستحق ثابت کرے۔ اس مضمون کو زیادہ وضاحت کے ساتھ اس آیت میں بیان کیا گیا ہے:۔

وَالَّذِیْنَ جَاھَدُوْا فِیْنَا لَنَھْدِیَنَّھُمْ سُبُلَنَا۔

(عنکبوت - ۲۹ : ۶۹) اللہ تعالےٰ کی راہوں کو حاصل کرنے

اور ان پر چلنے اور پھر منزل مقصود تک پہنچنے کی توفیق بھی انہیں لوگوں کو ملتی ہے جو جہاد فی سبیل اللہ کرتے ہیں، اور اس جہاد کا ایک حصہ جہاد بالمال ہے۔

پھر انفاق فی سبیل اللہ، اطاعت، عبادت اور نیک کاموں میں آگے بڑھنے کی رُوح پیدا کر دیتا ہے جس سے ہر نیک کام کا کرنا آسان ہو جاتا ہے۔ یہ اس نیک عادت کا کتنا بڑا فائدہ ہے۔ فرمایا:۔ فَاَمَّا مَنْ اَعْطٰی وَاتَّقٰی وَصَدَّقَ بِالْحُسْنٰی فَسَنُیَسِّرُہٗ لِلْیُسْرٰی (اللیل۔ ۹۲: ۵-۷)

جہاد بالمال سے ایک بہت بڑا فائدہ یہ ہے کہ اسکی بدولت انسان پر مطالب قرآن کھلنے شروع ہو جاتے ہیں۔ معارف قرآنیہ کی نعمت کا راستہ اس پر وا ہو جاتا ہے۔ اور حکمت و دانائی کی باتیں اسے سوجھنے لگتی ہیں یہ مضمون قرآن مجید میں بہت سی جگہ بیان ہوا ہے۔ اوّل تو یہی آیت جو ابھی میں نے تلاوت کی ہے یعنی اَلَّذِیْنَ جَاھَدُوْا فِیْنَا لَنَھْدِیَنَّھُمْ سُبُلَنَا۔ کا ایک مطلب یہ بھی ہے۔ دوسرے فرمایا لَا یَمَسُّہٗٓ اِلَّا الْمُطَھَّرُوْنَ (الواقعہ۔ ۵۶: ۷۹) قرآنی مطالب کے دروازے صرف ان لوگوں پر کھلتے ہیں جو مطہرون کے استثنٰے

میں داخل ہوں اور تطہیر و تزکیہ کے متعلق میں اُوپر بتا چکا ہوں کہ اس کا بنیادی ذریعہ انفاق فی سبیل اللہ ہے۔

انفاق فی سبیل اللہ مسرّت کے حصول کا ذریعہ بھی ہے چنانچہ قرآن مجید نے اس مضمون کو بڑی وضاحت اور تفصیل سے بیان کیا ہے۔ یہ موقعہ نہیں کہ اس کے تمام پہلوؤں پہ تفصیلی بحث کی جا سکے۔ میں صرف قرآن مجید کی ایک آیت بیان کر کے جس میں بتایا گیا ہے کہ انفاق مسرّت کے حصول کا ذریعہ ہے اگلا حصہ بیان کروں گا۔ قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:۔

انفاق فی سبیل اللہ کا ایک فائدہ یہ ہے کہ اس سے دولت بڑھتی ہے۔ دنیا داروں کی نظر میں یہ ایک عجیب نقطہ نگاہ ہے کہ بذل مال سے دولت کم ہونے کے بجائے بڑھتی کس طرح ہے لیکن واقع یہی ہے۔ قرآن مجید میں اللہ تعالےٰ فرماتا ہے:۔
الشَّيْطٰنُ يَعِدُكُمُ الْفَقْرَ وَيَأْمُرُكُمْ بِالْفَحْشَاءِ وَاللّٰهُ يَعِدُكُمْ مَّغْفِرَةً مِّنْهُ وَفَضْلًا (البقرہ - ۲:۲۶۸)

امامِ زمانؑ نے بھی سچ فرمایا ہے کہ؎

زبذلِ مال در راہش کسے مفلس نمی گردد

یاد رکھنا چاہیئے کہ قرآن مجید کی اصطلاح میں فضل کا لفظ مادی انعامات کے لیئے استعمال ہوا ہے۔ سخاوت اور انفاق سے جو چیز انسان کو روکتی ہے وہ یہی اندیشہ ہوتا ہے کہ دوسروں کو دوں گا تو میرے مال میں کمی ہوجائے گی اور ضرورت کے وقت یا اپنے مال اور کاروبار کو بڑھانے کے وقت مجھے تکلیف ہوگی۔ قرآن مجید نے اوپر کی آیت میں اسی وسوسے کا ازالہ کیا ہے اور بتایا ہے کہ بذل مال سے مال کم نہیں ہوتا بلکہ بڑھتا ہے۔ ہمارے آج کے صدر آپ کے سامنے بیٹھے ہیں یہ آپ کو اس اسلامی صداقت کا عملی ثبوت دے سکتے ہیں۔ حدیث میں صاف طور پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے خیرات سے مال بڑھتا ہے اور نہ دینے سے گھٹتا ہے۔ حدیث کے الفاظ ہیں تم باندھو نہیں ورنہ تم پہ باندھا جائے گا (مسلم باب الحث علی الانفاق) یعنے اگر تم اپنی تھیلی کا منہ بند رکھو گے اور دوسروں کو نہیں دوگے تو تمہارا رزق کم ہوجائے گا قرآن مجید میں سود اور صدقہ میں حد فاصل قائم کی گئی ہے اور بتایا ہے کہ یَمْحَقُ اللّٰهُ الرِّبٰوا وَيُرْبِي الصَّدَقٰتِ (البقرہ ۲: ۲۷۶)۔

انفاق فی سبیل اللہ کا ایک فائدہ یہ ہے کہ اس سے حکمت ملتی ہے۔ چنانچہ ابھی اوپر جو آیت میں نے تلاوت کی ہے یعنی اَلشَّيْطٰنُ يَعِدُكُمُ الْفَقْرَ وَاللّٰهُ يَعِدُكُمْ مَّغْفِرَةً مِّنْهُ وَفَضْلًا کے بعد میں فرمایا ہے يُؤْتِي الْحِكْمَةَ مَنْ يَّشَاءُ کہ اس نیکی کے نتیجہ میں اللہ تعالیٰ حکمت کی دولت سے نوازتا ہے اور حکمت کی عظمت کے متعلق اللہ تعالیٰ فرماتا ہے وَمَنْ يُّؤْتَ الْحِكْمَةَ فَقَدْ اُوْتِيَ خَيْرًا كَثِيْرًا (البقرہ - ۲: ۲۶۹)

حکمت دین و دنیا کی بہت بڑی دولت ہے۔ یہ دل کی وہ کنجی ہے جس سے علم و عمل کا ہر بند کھل جاتا ہے۔ جہاد بالمال کا ایک فائدہ یہ ہے کہ اس سے انسان فلاح سے ہمکنار ہو جاتا ہے۔ چنانچہ فرمایا مَنْ يُّوْقَ شُحَّ نَفْسِهٖ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ (الحشر ۵۹: ۹) (التغابن - ۶۴: ۱۶)

جو لوگ عربی زبان کی گہرائیوں سے واقف ہیں وہ آپ کو بتائیں گے کہ عربی زبان میں دین و دنیا کی کامیابیوں اور کامرانیوں کے لئے فلاح سے بڑھ کر کوئی لفظ نہیں۔ گویا قرآن مجید نے یہ بتایا ہے کہ جو شخص مالی اور دنیوی، روحانی اور اخلاقی ترقیات حاصل کرنا

چاہتا ہے اور سب سے بڑھ جانا چاہتا ہے اور چاہتا ہے کہ اس کی ملازمت اور کاروبار میں ترقی ہو تو اسے یہ نسخہ ضرور آزمانا چاہیئے ہے

اسے آزمانے والے یہ نسخہ بھی آزما

دوستو! دنیا کی حالت پر نظر کرو ۔ سرمایہ اور محنت کی طاقتیں باہم متصادم ہیں اور امیر و غریب کی جنگ نے نہایت بھیانک شکل اختیار کر لی ہے ہمیشہ ہی غیر صحتمند معاشرے میں قوم کے مختلف افراد اور طبقات کے درمیان غیر مساوی تقسیم پیدا ہو جایا کرتی ہے ۔ ایک طرف دولتمند طبقے زیادہ دولتمند اور دوسری طرف غریب اور زیادہ غریب ہو جاتے ہیں ۔ یونان کے آخری دور میں یہی صورت پیدا ہوئی ۔ درخشں کاویانی کے علاقے کا یہی حال ہوا ۔ مغرب کی موجودہ فضا میں بھی سیلاب موجزن ہے، اور طبقاتی جنگ پورے زوروں سے بھڑک اٹھی ہے ۔ سوشلزم، کمیونزم، بالشیزم کے طوفان جگہ جگہ اٹھ رہے ہیں لیکن ان سیلابوں کا مقابلہ کرنے والے، دنیا میں مساوات پیدا کرنے والے اور دنیا کے نئے خاکے تیار کرنے والے جو نقشے بنا رہے ہیں وہ انسانی فطرت اور طبیعت کے اس

درجہ مخالف ہیں کہ اُن کی دائمی کامیابی حد درجہ مشکوک ہے۔ ان مشکلات کا بہت بڑا علاج اسلام کے فلسفہ جہاد بالمال میں پوشیدہ ہے۔ یہ موقعہ نہیں کہ تفصیل سے اس مسئلہ پر روشنی ڈالی جا سکے کہ اسلام کے اقتصادی نظام کی ترتیب کن اصولوں پر مبنی ہے۔ لیکن جہاد بالمال کی اگر صرف ایک شق زکوٰۃ ہی پر نظر ڈالی جائے تو معلوم ہوگا کہ کس طرح اسلام نے ایسا نظام قائم کیا ہے کہ پوری دنیا کی دولت اور اس کے قارونوں اور ہامانوں کے خزانوں کی ایک ایک پائی وہاں سے نکل کر صرف چالیس سال کے معمولی عرصہ میں غریبوں کی جیبوں میں پہنچ جائے گی۔

امریکہ کے سفر میں ایک بہت بڑے کمیونسٹ سے مجھے بات کرنے کا موقعہ ملا اور میں نے اس سے کہا کہ تم نے ملک میں انقلاب برپا کر کے اور خون خرابہ ڈال کر اس وقت کے امراء کے ہاتھ میں جو دولت تھی وہ اُن کے ہاتھوں سے چھین لی لیکن تمہارے نظام معاشیات میں اس چیز کا کیا تحفظ ہے کہ سکیم میں کسی سقم یا برسر اقتدار طبقہ کی بے راہ روی کے نتیجے میں اگر دولت پھر چند ہاتھوں میں سمٹ آئے تو اسے پھر غریبوں کی جیبوں میں پہنچا دیا جائے۔ کیا ہمیشہ انقلاب اور خون خرابے

کا راستہ کھلا چھوڑ دیا جاتا ہے۔ اُن کے پاس اس کا کوئی جواب نہیں تھا۔ میں نے اسے بتایا کہ اسلام نے زکوٰۃ کی شکل میں اس چیز کا انتظام کیا ہے اور ایک ایسا تسلسل قائم کیا ہے جس میں دولت ہر وقت امیروں کے خزانوں سے نکل کر غریبوں کے ہاتھوں پہنچتی رہتی ہے اور یہ چکر صرف چالیس سال کی قلیل مدت میں پورا ہو جاتا ہے اور تؤخذ من أغنيائهم و ترد الیٰ فقرائهم کے ماتحت ساری دولت کھنچ کر غریبوں کے پاس پہنچ جاتی ہے۔

اسلام نے زکوٰۃ کو فرض کرنے سے یہ مقصد بھی مدِ نظر رکھا ہے کہ لوگ اپنے سرمائے کو بیکار نہ رکھیں بلکہ سخاوت، کوشش، عقل، فہم اور تدبر سے اسے ترقی دیں ورنہ اصل سرمائے میں سال بسال کمی ہوتی جائے گی۔ اس طرح زکوٰۃ بالواسطہ طور پر تجارت، زراعت اور صنعت کو جو دولت کا اصل سرچشمہ ہیں ترقی دیتی ہے۔ حضرت عمرؓ نے اپنے زمانہ خلافت میں ان لوگوں کو جو یتیموں کے اموال کے متولی تھے انہیں ہدایت دی کہ وہ انہیں تجارت وغیرہ پر لگائیں تاکہ یتیموں کے بالغ ہونے تک ان کا سرمایہ زکوٰۃ میں ہی صرف نہ ہو جائے۔ یورپ نے بڑی تحقیق کے بعد مشرق کے تجارتی تنزل کی ایک اہم وجہ یہ بتائی ہے کہ یہاں مال کا اکثر حصہ بیکار زمین

میں مدفون رکھا جاتا ہے بہت سے وسیع تجارتی اور صنعتی کام اس سے انجام پذیر نہیں ہو سکتے کہ ان کیلئے سرمایہ مہیا نہیں ہوتا اسلام نے زکوٰۃ کا حکم دیکر نفسیاتی لحاظ سے ایک زبردست تحریک پیدا کر دی ہے کہ ملک و قوم کا پورا سرمایہ باہر آجائے۔ یہ اسلام کے اقتصادی نظام ہی کا صحتمند اثر ہے کہ اسلام کے تمدن کا دور اس قسم کی اقتصادی مصیبتوں سے محفوظ رہا۔

جہاد بالمال اور انفاق فی سبیل اللہ معاشی اصلاح ہی نہیں بلکہ تزکیہ اخلاق کا بھی بہت بڑا ذریعہ ہے، سخاوت اخلاقیات کی دنیا میں بنیادی خلق کی حیثیت رکھتی ہے اور اخلاق کی بہت سی ضمنی تعلیموں پر محیط ہے۔ دراصل سخاوت و فیاضی بندوں کے ہر قسم کے حقوق کی اساس ہے، جب تک کسی میں یہ وصف پیدا نہ ہو گا اس میں اپنے ہم جنسوں کے ساتھ ہمدردی اور محبت کا جذبہ نہیں پیدا ہو سکتا۔ اور انفاق فی سبیل اللہ کے ساتھ اس حقیقت کا جو تعلق ہے وہ ظاہر ہے۔ اسی طرح احسان ایک ایسی صفت ہے جو ہر نیکی کے کام کو محیط ہے اور اس کی اتنی بے شمار صورتیں ہیں کہ ان کا احاطہ نہیں کیا جا سکتا۔ یہ احسان ہر شخص کے فرائض میں داخل ہے اور جس کی مالی وسعت کا دائرہ جتنا بڑا ہو گا اس کے مطابق اس پر فرض ہے کہ وہ اپنے احسان کے دائرے کو وسیع کرے۔ یہی

وجہ تھی کہ قارون کی قوم نے اس سے یہ اخلاقی مطالبہ کیا تھا:۔
اَحْسِنْ كَمَآ اَحْسَنَ اللّٰهُ اِلَيْكَ (القصص ۲۸: ۷۷)
ایثار فیاضی کا سب سے بڑا اور آخری درجہ ہے اس کا مطلب یہ ہے کہ دوسروں کی ضرورتوں کو اپنی ضرورت پر مقدم کیا جائے اور خود تکلیف اُٹھا کر بھی دوسروں کو آرام پہنچانے کا بندوبست کیا جائے۔ صحابہ کرامؓ میں سے انصار کا سب سے بڑا اخلاقی وصف یہی تھا۔ مکّہ کے مہاجر جب بے خانماں ہو کر مدینہ پہنچے تو انصار نے انہیں ہاتھوں ہاتھ لیا۔ انہیں اپنے گھر دیئے۔ زمینیں دیں اپنی محنتوں میں انہیں شریک کیا اور خود ہر طرح کی تکلیفیں اُٹھا کر انہیں آرام پہنچایا۔ انہیں کے حق میں قرآن مجید کی یہ آیت ہے:۔ يُؤْثِرُوْنَ عَلٰٓى اَنْفُسِهِمْ وَلَوْ كَانَ بِهِمْ خَصَاصَةٌ (الحشر ۵۹: ۹)
جو لوگ صدقہ و زکوٰۃ دینے کے خوگر ہوتے ہیں ان کی طبیعت اس قدر مستغنی اور قانع ہو جاتی ہے کہ ان کے لئے تھوڑا سا مال بھی کافی ہوتا ہے اور استغناء اور قناعت ایسی چیزیں ہیں جو تمام اخلاقی محاسن کا سنگِ بنیاد ہیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے کیسی لطیف بات فرمائی ہے لیس الغنی من کثرۃ العرض ولکن الغنی غنی النفس (بخاری کتاب الرقاق) تونگری دولت

کی کثرت کا نام نہیں بلکہ دل کی بے نیازی کا نام ہے اور دوسرے موقعہ پر فرمایا ان المکثرین هم المقلون (بخاری کتاب الرقاق) جو دولتمند ہیں وہی غریب ہیں - پھر توکل جیسی اعلٰی اخلاقی صفت بھی انفاق کے نتیجے ہی پیدا ہوتی ہے (الشوریٰ - ۴۲: ۳۶)

امراء کے لالچ، دناءت، مال کی محبت، سخت دلی، بے مروتی، عدم ایثار، ہمدردی اور شفقت کی کمی، قارونیت، غرض ایسی تمام اخلاقی برائیوں کا مداوا جہاد بالمال اور انفاق فی سبیل اللہ میں مرکوز ہے۔

صدقہ وخیرات کو رد بلاء اور مصائب سے محفوظ رہنے کے ساتھ بھی بڑا گہرا تعلق ہے

وقت ختم ہو رہا ہے اس لئے میں انفاق فی سبیل اللہ اور داد و دہش کے فوائد ونتائج کے مضمون کو ایک آخری بات کہکر ختم کرتا ہوں کہ انفاق فی سبیل اللہ کے نتیجے میں انسان مستجاب الدعوات ہو جاتا ہے اس چیز کے نتیجے میں اس کی دعائیں زیادہ قبول ہوتی ہیں۔ میں یہ بھی محض ایک نظریہ پیش نہیں کر رہا اولیاء امت نے اپنے بیشمار تجارب کے بعد یہ نکتہ معرفت بتایا ہے کہ صدقہ وخیرات کو دعاؤں کی قبولیت کے ساتھ بہت گہرا تعلق ہے۔

خلاصہ کلام یہ کہ صدقہ وخیرات اور انفاق فی سبیل اللہ بہت بڑے روحانی، اخلاقی اور اقتصادی فوائد رکھتا ہے۔ پس اے میرے بزرگو!

میرے بھائیو!! اور عزیزو!!! اس سے پہلے کہ وہ دن آئے جس میں اللہ تعالیٰ کے عذاب سے چھٹکارا نہ خرید و فروخت سے حاصل ہو سکتا ہے نہ دوستی اور محبت اور سعی و سفارش سے، اپنے مال میں سے جو خود تمہارا بھی نہیں اللہ تعالےٰ کی رحمت اور دوستی خرید لو کہ اس دن یہی سودا کام آنے والا ہے۔ جہاد بالمال کے ذریعہ اپنی روحانیت، اپنے اخلاق اور اپنے اقتصاد کو صحتمند خطوط پر لے آؤ کہ اس سے زیادہ درست راہ اور کوئی نہیں۔ جو لوگ فی سبیل اللہ خرچ نہیں کرتے وہ اپنے سینے اور پیشانی کے داغ کا سامان اکٹھا کرتے ہیں والذین یکنزون الذھب والفضۃ ولا ینفقونھا فی سبیل اللہ فبشرھم بعذاب الیم (التوبہ - ۹: ۳۴) جس دولت کو انہوں نے اپنے بخل اور دل کی تنگی کی وجہ سے دنیا میں اپنے گلے کا ہار بنا رکھا ہے وہ واقعی قیامت میں سانپوں کی شکل میں اُن کے گلے کا ہار بن جائے گی (بخاری کتاب الزکوٰۃ) بخیل کبھی خدا کی محبت کا مرکز نہیں بن سکتا (الحدید ۵۷: ۲۴) یہ مال کی محبت فرد اور قوم دونوں کی ترقی کی اور سعادت کی راہ میں رکاوٹ ہے۔ اگر یہ رکاوٹ ہماری راہ سے ہٹ جائے تو ہم کامل موحد بن سکتے ہیں پھر ہماری ترقی کو دنیا کی کوئی طاقت روک نہیں سکتی۔

یہ اللہ تعالےٰ کا فضل ہے کہ اس نے اس سال جماعت کے لئے

مالی جہاد کی اہم راہیں کھول دی ہیں احمدیہ ہال کا سنگِ بنیاد انشاء اللہ اس سال رکھا جائے گا، حضرت امیر کی تحریک آپ پڑھ چکے ہیں۔ پھر اسی سال احمدیہ بستی کو بسانے کا پروگرام ہے یہ سب کام ہم سے مالی جہاد کا مطالبہ کرتے ہیں اور ہم سب کا فرض ہے کہ اپنی پاک کمائی میں سے ان کاموں میں امداد دیں۔

احمدیہ بستی کی تعمیر بہت بڑا کارنامہ ہے بہت ہی مناسب ہو گا کہ وہاں کی تعمیرات کا آغاز مسجد اور دارالشفقت کی تعمیر کے ساتھ کیا جائے اور ہم اپنے اور اپنے دفاتر کے مکانوں سے پہلے یتیموں، مسکینوں، مفلوک الحال اور بے گھر اور بے در اور کس مپرس پسماندہ طبقہ کے قیام و طعام کا بندوبست کریں اور اس بستی میں ہمارے تعمیری پروگراموں کا آغاز اس طبقے کی دست گیری سے ہو۔ ہمارا فرض ہے کہ ان بچوں کو جو باپ کے سایۂ عاطفت سے محروم ہیں اپنے آغوشِ محبت میں لیں ان کی ہر طرح خدمت کریں اور ان احکام کو بجالائیں جو مکّہ کا دُرِّ یتیم اپنے ساتھ لایا تھا۔ انسانی زندگی کی گھاٹی کو عبور کرنا سب سے بڑی کامیابی ہے اس گھاٹی کو ہم غریبوں کی دستگیری ہی کے ذریعہ طے کر سکتے ہیں۔

آج بہت سے شہروں میں یتیم خانے قائم ہیں لیکن بعثت نبوی سے پہلے یہ بدقسمت اس نعمت سے ناآشنا تھے۔ اسلام پہلا مذہب ہے

جس نے اس مظلوم فرقے کی دادرسی کی، عرب پہلی سرزمین ہے جہاں کسی یتیم خانے کی بنیاد پڑی اور اسلام کی حکومت دنیا کی پہلی حکومت ہے جس نے اس ذمہ داری کو اپنے اوپر لیا اور اس طرح دنیا میں ایک نئے ادارے اور جدید انسٹی ٹیوشن کی بنیاد پڑی۔ من کان فی حاجۃ اخیہ کان اللہ فی حاجتہ (بخاری) سب سے بڑے صادق مصدوق کا قول ہے اسے پیش نظر رکھو، دیکھو میں بڑی ذمہ داری کے ساتھ کہتا ہوں کہ بہت معمولی رقم کے ساتھ جماعت ایسا انتظام کر سکتی ہے کہ جماعت بھر میں ایک بھی یتیم اور مسکین اور بے دست و پا شخص ایسا نہ رہے جسے جماعت سے امداد نہ مل سکے۔ اللہ تعالیٰ کے فضل پر بھروسہ کرتے ہوئے ایسا کیا جا سکتا ہے۔ وہ دن کتنا مبارک ہوگا جب انجمن یہ اعلان کرنے کے قابل ہو جائے گی اور آپ اپنے امیر کی زبان سے یہ خوش کن اعلان سنیں گے کہ ہم پوری جماعت کے ایک ایک یتیم، مسکین کے تکفل کی ذمہ داری لیتے ہیں۔

میں جماعت کے دوستوں اور انجمن کے اراکین سے بڑے الحاح اور ادب کے ساتھ درخواست کروں گا کہ وہ خدا کے لئے ایک ایسے مضبوط مرکزی نظام کو قائم کریں جہاں سے جماعت کے تمام حاجتمندوں کی امداد ہو سکے اور ان لوگوں کی خبر گیری ہو سکے جو اپنی محنت و کوشش

سے اپنی روزی کمانے کی صلاحیت نہیں رکھتے۔

بھائیو اور بزرگو! جب تک منتشر افراد ایک شیرازے میں نہیں بندھ جاتے حقیقت میں جماعت کا وجود نہیں ہوتا۔ جماعت کے کمزوروں، معذوروں اور مفلسوں کی مدد جماعت اور اس کے اصولوں کی حفاظت ہے اور زکوٰۃ و خیرات اس نظام جماعت کا سرمایۂ دولت ہے۔ معاشرے اور شریعت نے جو ذمّے داریاں ہم پر ڈالی ہیں اُن میں سے ایک اہم ذمہ داری یہ بھی ہے کہ سماج کے پسماندہ طبقے کی خبرگیری کی جائے اور یتامٰے و مساکین کے بوجھ اُٹھائے جائیں۔ یہی وجہ ہے کہ یتامٰے و مساکین کی دیکھ بھال کو مسلمانوں نے ہمیشہ ایک اہم فریضہ سمجھا ہے۔

اللہ تعالےٰ کا فضل اور اس کا احسان ہے کہ مسیح موعود علیہ السلام نے جماعت کے دل میں ایک زندہ ایمان پیدا کر دیا ہے اور آپ کے ماننے والوں میں مخیّر بھی ہیں اور بڑے بڑے دل والے اور حوصلہ کے مالک بھی اور ان میں سے ایسے ایسے خدا رسیدہ لوگ موجود ہیں جو اگر چاہیں تو اکیلے ہی بہت سے یتامٰے و مساکین کا بوجھ اُٹھا سکتے ہیں، اور مجھے امید ہے

کہ نہ صرف وہ بلکہ جماعت کا ایک ایک فرد اس کار ثواب اور صدقہ جاریہ میں حصّہ لے گا اور جماعت کے زیر اہتمام جدید بستی میں غرباء کے تکفل کے لئے ایک عمدہ دار الشفقت قائم کیا جائے گا۔ اس سلسلے میں ایک مفصّل سکیم میں انجمن کے سامنے رکھنے کا ارادہ رکھتا ہوں۔

جو دوست اس حد درجہ ضروری ادارے کے قیام میں حصّہ لیں گے وہ ثواب دارین کے مستحق ہوں گے۔ اللہ تعالےٰ ان کی اس خدمت کو بڑے فضلوں سے نوازے گا۔ ان کے اموال میں برکت دے گا اور ان کی آل واولاد کا خود متکفل بنے گا۔ یہ چیز ان کے صدقہ جاریہ کا کام دے گی اور ہمیشہ ہمیش کے لئے ان کا نام اور کام سینوں اور سفینوں میں زندہ رہے گا۔ معاشرے کے پسماندہ طبقے کی دیکھ بھال کا جو انسانی فرض ان پر عائد ہوتا ہے اس سے وہ بحسن وخوبی عہدہ برآ ہو سکیں گے۔

میرے پاس وہ الفاظ نہیں جن سے اس اہم کام کی عظمت برتری کو کماحقہ بیان کیا جا سکے۔ حقیقت تو یہ ہے کہ اس نیک کام کی برکات کا اندازہ بھی نہیں کیا جا سکتا۔ چند ہی سال میں اس ادارے کے حیرت انگیز نتائج آپ مشاہدہ کریں گے اور

امید ہے کہ مناسب توجہ اور نگرانی سے پورے ملک کے یتیم ادارہ ہائے شفقت سے ہمارا یہ ادارہ بازی لے جائے گا اور سب کے لئے مثال اور نمونے کا کام دے گا۔

مبارک ہیں وہ جنہیں اس کام کے سرانجام دینے کی توفیق ملے۔ مبارک ہیں وہ جنہیں اس پاک خدمت کے لئے اپنی کمائی کا ایک حصہ صرف کرنے کے لئے انشراحِ صدر حاصل ہو کہ وہ ابدی زندگی پالیں گے اس دنیا میں نیک نام ہوں گے اور آخرت میں الٰہی سایہ اور پاک محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی معیت انہیں حاصل ہوگی۔ اے خدا ہم سب کو اس کی توفیق بخش:

آمین

(تعلیمی پریس لاہور)